اِسلام کا قانونِ محاصِل

تالیف

مولانا ڈاکٹر نور محمد غفاری

ناشر

مرکز تحقیق • دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری • لاہور

فہرست

پیش لفظ

اسلام نے ریاست کا جو تصور پیش کیا ہے وہ نہ تو آمرانہ ہے نہ موجودہ زمانے کی مغربی جمہوریت کے مطابق جمہوری۔ اسلام کے عطا کردہ تصور ریاست کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اگر ہم کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہ یہ کہ اسلام ایک فلاحی، شورائی اور عادلانہ نظام حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے نزدیک امام رعایا کی دنیوی اور مادی فلاح کا نگران اور اخلاقی و دینی اقدار کا محافظ ہوتا ہے اور وہ ہر آن خلقِ خدا کی بہبود کی فکر میں لگا رہتا ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم۔

تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرتے ہیں جن کے لیے تم دعا کرتے ہو اور تمہارے لیے وہ دعا کرتے ہیں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں ان پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ خصوصیات اسی حکمران میں ہوں گی جو ہمہ وقت

رفاہ عامہ اور معاشی فلاح سے تعلق رکھنے والے امور کی طرف متوجہ رہے۔ مثلاً نہروں کی تعمیر، سیم اور تھور کا استیصال، بندوں کی تعمیر، افتادہ زمینوں کو قابل کاشت بنانا، اہل حرفہ اور محنت کش طبقے کی خوشحالی کا خیال، سرکاری ملازمین کی پُراطمینان زندگی کا انصرام کم سے کم ٹیکس اور زیادہ سے زیادہ کاروبار میں آسانیاں پیدا کرنا، ملک کے دفاع کو مضبوط بنانا، تعلیمی اور تربیتی نظام قائم کرنا، صحت عامہ کی نگہداشت، اخلاقی قدروں کو فروغ دینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا فوری عدل وانصاف کی فراہمی یہ اور اس طرح کی ہزاروں ذمہ داریاں ہیں جو ایک مسلمان حکمران پر عائد ہوتی ہیں۔ امت مسلمہ کا مقتدر اعلیٰ ہونا کھیل تماشہ نہیں ہے بلکہ

ع اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اوپر جن رفاہی امور کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کی تکمیل کے لیے شریعت نے محاصل کا نظام جاری کیا اس شرط کے ساتھ کہ محاصل کی وصولی میں ظلم وجور نہ ہو نہ اتنا بوجھ عوام پر پڑ جائے کہ ان کی کمر ہی ٹوٹ جائے اور ان کی قوتِ عمل مفلوج ہو جائے۔ محاصل کی وصولی میں ایک بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کسی حد تک ادائیگی کرنے والے میں خوشدلی ہو اور وہ ٹیکس کو جرمانے کے طور پر ادا نہ کرے بلکہ یہ سمجھ کر ادا کرے کہ وہ ملکی ترقی اور قومی وملی فلاح میں مالی طور پر حکومت کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔ ٹیکس دہندہ میں یہ احساس اسی وقت ابھر سکتا ہے جب وہ یہ محسوس کرے کہ اس کی ادا کردہ رقم صحیح مصرف میں خرچ ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ ٹیکس دہندہ کو یہ احساس بھی ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی دولت کا مالک ہے۔ یہ نہیں کہ اس سے اس قدر ٹیکس لیا جائے اور اس کو اس قدر مجبور کیا جائے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اس کی کمائی ہوئی دولت پر حق تصرف اس کو حاصل نہیں بلکہ حکومت کو حاصل ہے۔ یہ احساس ہونے کے بعد کام کرنے کی امنگ اور پیسے جوڑنے

کا جذبہ جس پر ساری ملکی ترقی کا دارومدار ہے، سرد پڑ جاتا ہے۔

اسی بنیاد کے تحت اسلام نے نظام محاصل کو قائم کیا جس میں کم سے کم ٹیکس لگائے جانے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ مقصود اس کا صرف یہ ہے کہ ملک میں مرفہ الحالی بڑھے، صنعت، زراعت، تجارت اور دیگر وسائل معاش میں وسعت پیدا ہو اور اس طرح صحیح معنوں میں اسلامی مملکت ایک فلاحی ریاست بن جائے۔

زیر نظر کتاب "اسلام کا قانون محاصل" اسی نظریے کے تحت پروفیسر ڈاکٹر **نور محمد** غفاری نے تالیف فرمائی ہے تاکہ اسلامی نظام محاصل کو نفاذ شریعت کے سلسلے میں بروئے کار لایا جا سکے اور اس کے بارے میں جو لاعلمی اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب موصوف نے کافی غور و غوض اور وسیع مطالعے کے بعد اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز ڈاکٹر صاحب موصوف کی کوشش سعی مشکور ثابت ہو گی اور اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر انہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

سید محمد متین ہاشمی

ڈائریکٹر مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ

لائبریری لاہور

باب ۱

چند بنیادی حقائق اور وضاحتیں

۱۔ اسلام کے نظام مالیات کے مقاصد

قرآن مجید، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور فقہاء اسلام کی تشریحات کی روشنی میں ایک ریاست کے مالیاتی نظام کے مندرجہ ذیل مقاصد متعین کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ روحانی اور مادی ترقی کا یکساں حصول

اسلام کے نظام مالیات کا اولین مقصد ملک کے معاشی وسائل کی اس طرح تخصیص (Allocation of Sources) کرنا ہے کہ اس سے روحانی اور مادی ترقی دونوں کا یکساں حصول ممکن ہو۔ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام چونکہ روحانی اور اخلاقی اقدار سے عاری ہوتے ہیں لہٰذا ان کے ہاں معاشی وسائل کی تخصیص سے مراد یہ ہوتی ہے کہ حکومت ایک منصوبہ بندی کے تحت اپنے معاشی ذرائع کو مختلف پیداواری یونٹوں میں اس طرح تقسیم کرے کہ عوام کو زیادہ سے زیادہ مادی فوائد حاصل ہو سکیں۔ اس کے برعکس اسلام چونکہ روحانیت اور مادیت دونوں کی اصلاح و فلاح چاہتا ہے لہٰذا اس کا مالیاتی نظام اسلامی ریاست کے معاشی ذرائع کی اس طرح

تخصیص کرتا ہے کہ اس کے شہری روحانی اور مادی دونوں شعبوں میں برابر ترقی کر سکیں
دران میں ایک حسین توازن قائم ہو سکے قرآن مجید نے روحانی اور مادی ترقیات کے اس حسین
امتزاج کی طرف ان الفاظ میں ارشاد کیا ہے۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ
الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي
الْأَرْضِ [1]

ترجمہ: اور جو کچھ اللہ کریم نے تجھے (بطور رزق) دے رکھا ہے اس کے ذریعے آخرت کے گھر
کے لیے تگ و دو کر اور دنیا میں سے اپنا حصہ لینا بھی نہ بھول۔ اور (لوگوں پر ایسے) احسان
کر جیسے اللہ کریم نے تجھ پر احسان کیا ہے اور (اپنی دنیا کے لیے یا اس کے ذریعے) زمین
میں فساد نہ بپا کر۔

۱:۲- اسلامی ریاست میں چونکہ نجی شعبہ اور سرکاری شعبہ دونوں بیک وقت اسلامی
مالیاتی پالیسی کے تحت کام کرتے ہیں لہٰذا اسلام ان دونوں سے یہ توقع کرتا ہے کہ
وہ اپنے معاشی وسائل کو اپنے اپنے پیداواری دائرہ کار میں اس طرح مخصوص کریں۔
کہ اسلامی معاشرہ روحانی اور مادی دونوں حیثیتوں سے ترقی کرے۔

۱:۳- اسلامی ریاست میں روحانی ترقی کا کام زیادہ تر رضاکارانہ بنیادوں پر ہوتا ہے مگر
اسلامی ریاست کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے وسائل کا ایک مخصوص حصہ عوام
کی روحانی اور اخلاقی تعلیم کے لیے مختص کرے۔ اور یہی توقع اسلامی ریاست نجی
شعبہ سے کرے گی۔ اور اس روحانی ترقی کے اثرات مادی فلاح پر بھی پڑتے ہیں۔

۱:۴- نجی شعبہ میں مادی خوشحالی کا اندازہ منڈی میں شہریوں کے معاشی رویہ سے ہوتا

---

[1] سورۃ القصص (۲۸) : ۷۷

ہے اگر منڈی کو بغیر کسی اخلاقی ضابطہ کے چھوڑ دیا جائے تو اس کے وہی نتائج سامنے آئیں گے جو ہم کسی بھی لادین نظام مالیات کے بازار میں دیکھتے ہیں یعنی مصنوعی قلت اشیاء اور اس کے نتیجہ میں بے جا ارزانی، نفع اندوزی اور ذخیرہ اندوزی اور اس کے نتیجہ میں عوام کی معاشی مشکلات جو معاشرتی اضطراب اور سیاسی ہلچل پر منتج ہوتیں ہیں۔

مندرجہ بالا مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسلامی ریاست کو مندرجہ ذیل اقدامات کرنا پڑتے ہیں۔

(الف) ——— اگر وہ محسوس کرتی ہے کہ نجی شعبہ اشیاء تعیش کی پیداوار پر معاشی وسائل صرف کر رہا ہے تو اشیاء تعیش اور ان کی مصنوعات اور ان کی برامدات پر ٹیکس (TAXES) لگا کر اس رجحان کی حوصلہ شکنی کرے گی۔

اگر اسلامی ریاست معاشی فلاح یا دفاع یا کسی خاص ادارہ کی تشکیل کرنا چاہتی ہے یا کسی خاص صنعت کو پروان چڑھانا چاہتی ہے تو اس کے لیے وہ نجی شعبہ کو ٹیکسوں کی چھوٹ اور اعانتیں (SUBSIDES) دے کر اس شعبہ کے معاشی ذرائع کی تخصیص کا رجحان اس طرف کرے گی۔

(ب) پبلک شعبہ میں اسلامی ریاست اپنے معاشی ذرائع کا استعمال کرتے وقت بھی اپنے پیش نظر "مجموعی معاشرتی فلاح کا زیادہ سے زیادہ حصول" کا اصول رکھے گی۔

اس طرح اسلامی ریاست کے شہری روحانی اور مادی دونوں شعبوں میں متوازن ترقی کرتے جائیں گے۔

۲۔ دولت کی منصفانہ تقسیم

اسلام کے مالیاتی نظام کا دوسرا نمایاں مقصد اسلامی ریاست کی تمام دولت کو ریاست کے تمام افراد میں منصفانہ طور پر تقسیم کرنا ہے ہم یہاں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں

کہ اسلام مادی اور معاشی فوائد میں مساوات کا نہیں بلکہ انصاف کا داعی ہے لہٰذا وہ ایسے ذرائع اختیار کرتا ہے کہ دولت اسلامی معاشرہ میں منصفانہ طریقہ پر تقسیم ہو۔ اسلام کا مالیاتی نظام یہ تکلیف دہ صورت ہرگز نہیں برداشت کر سکتا کہ ملک کی تمام دولت اور تمام ذرائع دولت صرف چند لوگوں کے ہاتھ میں مرتکز ہو کر رہ جائیں۔ ایک طرف دولت اللوں تللوں میں اڑائی جا رہی ہو اور دوسری طرف آبادی کا بیشتر حصہ بنیادی ضروریاتِ زندگی ہی مناسب طریقہ پر پوری نہ کر سکتا ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ [1]

ترجمہ: تاکہ دولت صرف تمہارے اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتی رہے"

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام کا مالیاتی نظام اسلامی ریاست کو مندرجہ ذیل ذرائع تعلیم کرتا ہے۔

۲: الف اسلام کا مالیاتی نظام امراء اور صاحب ثروت اشخاص پر چند مالیاتی فرائض ر) عائد کرتا ہے جن کی ادائیگی گردش دولت کی راہیں کھول دینی ہے مثلاً زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر، نفقات، واجبہ، مالی کفارات، قوانین میراث وغیرہ۔

ان مثبت طریقوں کے ساتھ ساتھ اسلام چند منفی طریقے بھی تجویز کرتا ہے۔ جو دولت کی منصفانہ تقسیم کے عمل کو تیز کرتے ہیں۔ مثلاً سود ایسی لعنت کا خاتمہ، بخل و اسا کی کراہیت، ارتکار و اکتناز دولت کی بیخ کنی وغیرہ

۲: ب اگر اسلامی ریاست ایسا ضروری سمجھے گی تو وہ فلاحی ٹیکس لگا کر بھی دولت کی منصفانہ تقسیم کے عمل کو یقینی بنا سکتی ہے۔ اسلامی ریاست اس طرح جمع شدہ رقوم کو عوام کی فلاح کے کاموں پر خرچ کر کے ان کی معاشی اور روحانی ترقی کے عمل کو تیز تر

---

[1] سورۃ الحشر (۵۹): ۷

کر اپنے ذخیرہ میں واپس لے آتے ہیں اور مصنوعی قلت پیدا کر کے قیمتیں پھر چڑھا دیتے ہیں۔

اسلام کی مالیاتی پالیسی اس ناپسندیدہ صورت حال کا علاج مندرجہ دو طریقوں سے کرتی ہے۔

۱۔ اسلامی حکومت قیمتوں کو منصفانہ سطح پر رکھنے کے لیے تسعیر (قیمتوں پر کنٹرول) کا طریقہ اختیار کرنے کی بجائے ان غیر شرعی اور غیر اخلاقی حیلوں کو کنٹرول کرے گی جو قیمتوں میں بے پناہ اضافہ کا باعث بنتے ہیں مثلاً اشیاء ضرورت کی ذخیرہ اندوزی مصنوعی قلت، چور بازاری وغیرہ۔ یوں اشیاء ضرورت کی رسد اپنے قدرتی اصول کے مطابق بازار میں آتی رہے گی اور ان کی طلب بھی قدرتی طریقہ پر ہوتی رہے گی۔ اس طرح قیمتیں خود بخود مناسب سطح پر رہیں گی۔ البتہ غبن فاحش (بے جا منافع خوری) کی صورت میں حکومت قیمتوں پر کنٹرول کا طریقہ استعمال کر سکتی ہے مگر یہ طریقہ بطور دوا ہو گا۔ مستقل خوراک نہیں ہو گا[۱] خلاف ورزی کرنے والے تاجران اور کارخانہ داران کو جسمانی اور مالی دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

۲۔ البتہ جن اشیاء کی قیمت پیداوار بعض وجوہ کی بنا پر واقعی بہت زیادہ ہو گی ان کی قیمتوں کو مناسب سطح پر رکھنے کے لیے حکومت "سرکاری اعانوں" (Subsides) کا طریقہ اختیار کر سکتی ہے، جس کے تحت حکومت کارخانہ داران اور پیدا کنندگان سے وہ اشیاء مہنگے داموں خرید کر عوام کو مناسب داموں پر فروخت کرے گی۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ حکومت اشیاء پیدا کرنے والوں کو اپنے پاس سے مالی معاونت دے

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھیں میری کتاب "اسلام کا قانونِ تجارت" باب ۶ "قیمتوں پر کنٹرول" مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری نسبت روڈ لاہور۔

گی تاکہ وہ اشیاء صارفین کو اپنی پیداواری قیمت سے کم قیمت پر فروخت کریں۔

۴ تجارتی چکروں کا انسداد

اسلام کے مالیاتی نظام کا چوتھا مقصد تجارتی چکر اور کاروباری اتار چڑھاؤ کا خاتمہ ہے
کاروباری اور پیداواری حالات ایک جیسے نہیں رہتے بلکہ ان میں مدوجزر اور اتار چڑھائی کی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے کبھی کاروباری رجحان تیزی اور گرم بازاری کی طرف ہوگا اور کبھی مندے اور سرد بازاری کی طرف گویا کہ اس طرح ایک غیر یقینی معاشی کیفیت رہتی ہے۔ جب تجارتی چکر یا کاروبار کا رخ بلندی اور تیزی کی طرف ہوتا ہے تو سرمایہ داروں کی منافع کی توقعات بڑھ جاتی ہیں اور اپنی سرمایہ کاری میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ کارخانے اور صنعتیں ترقی کرتی ہیں پیداواری عمل تیز ہوجاتا ہے کارخانوں کی چمنیاں دھواں نکالنا شروع کر دیتی ہیں، روزگار کے مواقع بڑھ جاتے ہیں اور مزدور طبقہ کی آمدنی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

اس کے برعکس جب تجارتی چکر کا رخ مندے اور سرد بازاری کی طرف ہوتا ہے تو معاشی عمل سرد پڑ جاتا ہے گردش زر کم ہوجاتی ہے۔ اشیاء کی طلب گھٹ جاتی ہے، کارخانوں کی چمنیاں ایک بار پھر دھواں دینا بند کر دیتی ہیں۔ بے روزگاری اور بے کاری کا عفریت منہ کھولے نمودار ہوجاتا ہے۔

اس معاشی غیر یقینی صورت کا علاج اسلامی ریاست اپنے سرکاری اخراجات میں مناسب تبدیلیاں لاکر کرے گی وہ استحکام کی خاطر سرکاری اخراجات کو پھیلاؤ میں روک دے گی اور سکڑاؤ میں بڑھا دے گی۔ اس سلسلہ میں معاشی منصوبہ بندی بڑی احتیاط سے کی جائے گی اور انتظامی عملہ مستعد اور دیانتدار ہوگا۔

سرکاری اخراجات کی اس طرح منضبط منصوبہ بندی کے ذریعے تجارتی چکروں کی تمام صورتوں میں حکومت کامل روزگار کی سطح بغیر افراط زر پیدا ہونے کے برقرار رکھے گی۔

ب - اسلام کے مالیاتی نظام کے دو پہلو

دنیا کے کسی بھی مالیاتی نظام کے عموماً دو پہلو ہوتے ہیں۔ آمدن پالیسی اور خرچ پالیسی لیکن اسلامی ریاست چونکہ ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے لہٰذا اس میں ایسے لوگ بھی بستے ہیں جو اس کے نظریہ پر ایمان نہیں رکھتے یعنی غیر مسلم تو اسلامی ریاست کی آمدن پالیسی کا ایک دوسرا پہلو بھی آتا ہے یعنی غیر مسلموں سے آمدن۔ یہاں ہم ان تمام پہلوؤں پر بحث کرتے ہیں۔

۱- مسلمانوں سے آمدنی

اسلام کے مالیاتی نظام میں اسلامی ریاست کا نظام ٹیکس اور مالیات عامہ بہت لچکدار رہا ہے۔ جوں جوں اسلامی ریاست کی مالی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں توں توں اس کے مالی وسائل بڑھتے جاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور اسلامی ریاست کا وجود نہیں تھا۔ تو زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا صرف خیرات و صدقات تک بات رک جاتی تھی۔ لیکن جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اسلامی ریاست کی نیوڈالی تو زکواۃ و صدقات کی وصولی کا باقاعدہ نظام قائم کیا گیا جزیہ کی مد بڑھ گئی اور غنائم کا خمس مستقل ذریعہ آمدن بنا۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا زمانہ آیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں دفاعی اور دعوتی ضروریات میں کچھ زیادہ تبدیلی نہ ہوئی اور نہ ہی ذرائع آمدن میں اضافہ کی فکر کی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اللہ کریم نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور دولت اسلامیہ کی حدود دور دور تک پھیل گئیں، یوں جہاد فی سبیل اللہ اور مصالح عامہ کے اخراجات میں اضافہ ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے آمدن کی مستقل مدوں کو رواج دیا۔ وہ تھیں خراج اور عشور۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں آمدن کے ذرائع میں مزید اضافہ نہ ہوا عہد بنی امیہ اور بنو عباس میں جب انتظامی ،

دفاعی اور مصالح عامہ کے اخراجات میں روز بروز اضافہ ہوگیا تو فقہاء اسلام نے ضرائب و نوائب (Extra Taxes) کے جواز کا فتویٰ دیا اس فتویٰ کی بنیاد قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر تھی۔ ان کا ذکر آئندہ صفحات میں "زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے علاوہ ٹیکس" کے عنوان کے تحت آرہا ہے قرآن مجید نے "العفو[1]" (جو ضرورت سے زائد ہو)

اور حدیث پاک نے "فی مالك حق سوی الزکاۃ" (مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں) کا تصور دے کر ٹیکس اور مالیات کے نظام کو بہت زیادہ لچکدار بنا دیا ہے (اس کا مفصل بیان آئے گا۔)

اسلام کے نظام آمدن کا بنیادی اصول جذبہ خیر اور معاشرہ کے غرباء کی امداد کرنا ہے اسلامی ریاست جوں جوں اپنے غرباء کو خوشحال بناتی جائے گی توں توں اسلام کے نظام مالیات کا دائرہ سمٹتا جائے گا اور جس رفتار سے غربت پھیلتی رہے گی ٹیکسوں کا دائرہ پھیلتا جائے گا حتی کہ امراء جذبہ خیر کے تحت اپنے غریب بھائیوں کو بنیادی ضروریات زندگی میں برابر کرلیں

اسلام کا نظام مالیات بالواسطہ ٹیکس کے خلاف ہے کیونکہ اس ٹیکس کا بار بالآخر عام صارفین پر پڑتا ہے جن کی اکثریت غریب ہوتی ہے۔ اس کی مثال سیلز ٹیکس، درآمدی ٹیکس وغیرہ۔ بالواسطہ ٹیکس قابل انتقال ہوتے ہیں۔

اسلام بلاواسطہ ٹیکس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ اس کا اثر صرف امراء پر پڑتا ہے۔ اس کی مثال بچت ٹیکس، دولت ٹیکس وغیرہ، ہیں یہ ٹیکس منصفانہ تقسیم دولت اور گردش دولت کا ذریعہ بنتے ہیں جن کی بدولت دولت امراء سے غرباء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جن

---

[1] یہ ارشارہ قرآن مجید کی اس آیت کی طرف ہے "یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ" "(آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں جو ضرورت سے زائد ہو) (سورۃ البقرۃ (۲) ۲۱۹)

کا مختتم میلان صرف (Marginal Propensity to consume) امراء سے کہیں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ امراء کی دولت محض جمع کرنے کے لیے ہوتی ہے اور غرباء کی دولت صرف کرنے کے لیے۔ صرف دولت کا یہ رجحان مکمل روزگار کی سطح قائم کرتا ہے اور برقرار رکھتا ہے۔

بلاواسطہ ٹیکس کا بار عموماً وہ لوگ برداشت کرتے ہیں جن کے پاس زائد دولت جمع ہوتی ہے اس لیے اسلام کا مالیاتی نظام اصل آمدنی (INCOME AT SOURCE) کی بجائے خزینوں اور بچتوں پر ٹیکس کی تلقین کرتا ہے۔

ب۔ غیر مسلموں سے آمدنی

مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی اسلامی ریاست کے شہری ہوتے ہیں۔ دونوں ہی اس کی برکات سے استفادہ کرتے ہیں۔ مسلمان امیر اور غریب دونوں ہی مشکل وقت میں اپنے خون سے ریاست کی حفاظت کرتے ہیں جبکہ غیر مسلم سے یہ مطالبہ نہیں ہوتا۔ مسلمان امراء اپنی فاضل دولت سے زکوٰۃ اور دیگر مصالح عام کیلئے ٹیکس ادا کرتے ہیں جن سے غیر مسلم بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لہٰذا عقل کا تقاضا بھی ہے۔ اور منصفانہ فیصلہ بھی کہ غیر مسلموں کو بھی ریاست کے اخراجات میں حصہ بٹانا چاہیئے اور بالخصوص ان حالات میں جبکہ غیر مسلم تجارت اور مالیات کے میدان یا زمینداری میں بہت آگے ہوں۔ لہٰذا ان سے بھی جزیہ اور خراج کا مطالبہ کیا جاتا ہے

غیر مسلم پر ٹیکس اصول مساوات اور عدل اجتماعی کے مطابق ہے ان تمام مسائل پر بحث آگے آرہی ہے۔

ج۔ اسلامی ریاست کا بجٹ

اسلامی نظام مالیات بجٹ (میزانیہ) کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور تاریخ اسلامی

کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ بجٹ کا وجود خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی تھا۔ اسلامی ریاست کا بجٹ مرکزی ہوتا تھا۔ صوبے اپنی رقومات مرکزی بیت المال کو روانہ کیا کرتے تھے مثلاً فلسطین کے علاقے حبیرا اور عبدورہ ۱۰۰/۱۰۰ دینار سالانہ مرکز کو روانہ کرتے اسی طرح عقبہ کی بندرگاہ ایلیہ سے سالانہ ۳۰۰ دینار اور ۲۰۰ ملبوسات مرکز کو روانہ کیے جاتے۔

اسلام کا نظام بجٹ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے بالکل برعکس ہے۔ موجودہ نظام بجٹ پہلے اخراجات کا تخمینہ پیش کرتا ہے پھر ان اخراجات کو پورا کرنے کے طریقے اور ذرائع تجویز اور تلاش کرتا ہے جس کا نتیجہ عوام پر بے جا ٹیکسوں کا بار اور ملکی اور غیر ملکی قرضوں کا بوجھ ہوتا ہے اور اس کا ردعمل سماجی ہیجان اور خونی انقلابات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بجٹ بغیر اسباب کے بنتا ہے اور پھر عوام کی فلاح کے لیے عوام کی جیبیں خالی کر لی جاتی ہیں۔ اسلام اس قسم کے بجٹ کی اجازت صرف ہنگامی اور جنگ کے حالات میں دیتا ہے عام حالات میں نہیں۔

اسلامی نظام میں ملکی وسائل، مختلف مدات سے حاصل شدہ مالیات اور متوقع آمدنی کو مدنظر رکھ کر میزانیہ تیار کیا جاتا ہے گویا جتنا کچھ اپنے پاس ہے اس پر ترقیاتی پروگراموں کی بنیاد رکھی جائے گی اسلام کا بجٹ ایک غیرت مند اور خوددار شخص کا بجٹ ہے جو اپنے رب کے دیئے ہوئے ذرائع وسائل کی بنیاد پر ہی اپنا خرچ کرتا ہے اور اس کی نظر کسی کے مال پر نہیں ہوتی جسے وہ قرض کے ذریعے لے یا بے جا ٹیکس لگا کے حاصل کرے۔

اسلام ریاست کو پورے اختیارات دیتا ہے کہ وہ مختلف مدات کے لیے اخراجات کا تعین اپنی صوابدید سے کر سکتی ہے صرف زکوٰۃ اور عشر کے اخراجات مقررہ ہیں۔ البتہ اسلامی نظام اخراجات کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کو ختم کرنے کے لیے ایک خودکار رکاوٹ کا کام کرے گا۔ جو ایک بجٹ سے دوسرے بجٹ کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔

اسلام ریاست کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ ہنگامی حالات میں زیادہ مالی ٹیکس لگا سکتی

ہے۔ اس اجازت کے ذریعے وہ ریاست کو ملک کے وسائل پر پورا اختیار دیتا ہے مگر جوں ہی ہنگامی حالات ختم ہوں وہ ٹیکس ختم ہو جائیں گے جبکہ موجودہ نظام بجٹ میں ایسے ٹیکس ہمیشہ بڑھتے ہی جاتے ہیں کیونکہ موجودہ ریاستوں کے اخراجات کی رفتار ٹیکسوں کی رفتار سے زیادہ ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ دور کی حکومتوں (خصوصاً وہ حکومتیں جن میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام اپنایا گیا ہے ....) کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے انہیں زیادہ سے زیادہ مالیات کی ضرورت ہے جنہیں وہ ٹیکسوں کے ذریعے پورا کرتی ہیں۔ لیکن ان ساری معاشی ذمہ داریوں کے اخراجات بجٹ پر ہی کیوں منحصر ہیں؟

اسلامی ریاست کا بجٹ متوازن بجٹ ہو یا فاضل بجٹ یا خسارہ بجٹ؟ اس بارے میں اسلام کے کوئی واضح احکامات نہیں ملتے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدینؓ اور بعد کے اسلامی خلفاء کے تعامل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی ریاست کا بجٹ متوازن ہونا چاہیئے جس کے مطابق سرکاری اخراجات، سرکاری آمدنی کے مطابق ہونا چاہئیں۔ البتہ ہنگامی حالات میں خسارہ بجٹ اور فاضل بجٹ کی اجازت ہو گی۔ خسارہ بجٹ میں اخراجات آمدنی بڑھ جاتے ہیں اور فاضل بجٹ میں سرکاری اخراجات سرکاری آمدنی سے کم ہوتے ہیں۔

اسلام کا نظام مالیات یہ چاہتا ہے کہ متوازن بجٹ کے ذریعے ایسی معاشی فضا قائم کی جائے کہ مکمل روزگار کی سطح مستحکم ہو اور معاشی سکڑاؤ کے حالات ظہور پذیر نہ ہوں اور بجٹ کو بہتر بنانے کا عمل جاری رہے۔

د۔ اسلامی ریاست میں منصوبہ بندی

اسلام ریاست کو اختیار دیتا ہے کہ وہ پیدائش دولت اور تقسیم دولت کے عمل کو عادلانہ خطوط پر استوار کرے اور تمام پیداواری شعبوں اور ترقیاتی سکیموں کو اس طرح منظم

اور مرتب کرے کہ ترقی کا عمل پر امن طریقہ سے تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اسلامی ریاست جب کبھی مختصر مدت کے لیے یا طویل المدت منصوبہ بندی کرے تو مندرجہ ذیل اصولوں کو مدنظر رکھے۔

۱۔ تمام افراد معاشرہ کو بنیادی ضروریات زندگی بآسانی فراہم ہوں اور کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کے حصول میں تمام افراد بلا مذہب و ملت برابر ہوں۔

۲۔ بنیادی ضروریات سے متعلق قدرتی ذرائع کسی ایک فرد یا جماعت کی اجارہ داری میں نہ دیئے جائیں اور نہ رہنے دیئے جائیں بلکہ تمام افراد کو اس سے استفادہ کرنے کا برابر حق دیں۔ اور آمدن یا پیداوار کے وہ ذرائع جو اپنی اصل میں مشترک ہیں مثلاً دریا جنگل، کانیں وغیرہ کا انتظام ریاست سنبھالے۔ اس طرح تمام کلیدی صنعتیں اور کاروبار ریاست کے کنٹرول میں ہوں۔

پبلک خدمات مثلاً تعلیم، صحت، بجلی، مواصلات، آب رسانی وغیرہ ریاست کے کنٹرول میں ہوں اور انہیں حکومت مالیات بہم پہنچائے یہ خدمات ایک عادلانہ معاشی نظام کے چلانے میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اسلامی سرکاری خزانہ کا دائرہ کار اور ترجیحات؟

۱۔ مسلم معاشرہ کی تمام دولت اور ذرائع دولت سرکاری خزانہ کے اثاثے تصور کیے جاتے ہیں۔

۲۔ چونکہ سرکاری خزانہ کا تصور تمام مالی نظام کے لیے ہے نہ کہ صرف مقام خزانہ کے لیے لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ تمام دولت سرکاری خزانہ میں پیش کی جائے لہٰذا ہر وہ خرچ جو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جائے گا وہ سرکاری خزانہ ہی کی ذمہ داری سمجھی جائے گی خواہ وہ رقم سرکاری خزانہ سے ادا کی جائے یا نہ کی جائے۔

۔ جو آمدنیاں سرکاری خزانہ کے کلکٹر کے حوالے کی جائیں یا انہیں براہ راست خرچ کر دیا جائے وہ سرکاری خزانہ کی آمدنی اور خرچ ہی تصور ہوگا اور اس کے لیے ان اصول وضوابط کی پابندی لازمی ہوگی جو سرکاری خزانے کو کنٹرول کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ تمام آمدنیاں جو سرکاری خزانے کے لیے ہوں خواہ انہیں خرچ کرنے میں اسلامی ریاست کے سربراہ کی مرضی شامل ہو یا نہ ہو وہ سرکاری خزانہ ہی کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ [۱]

---

[۱] نجیم، زین العابدین ج، البحر الرائق، قاہرہ ۱۸۹۳ء جلد ۵ صفحہ ۱۲۸۔ ۱۰۰ آفندی (محمد بن سلیمان) مجمع الانہر دار الطباعۃ العامرہ قاہرہ صفحہ ۵۲

۴۔ جب سرکاری خزانہ کو دو مطالبے پورے کرنے ہوں جن میں سے ایک مطالبہ قرض کا ہو اور دوسرا کوئی اور تو خزانہ پہلے قرض کا معاملہ طے کرے گا[1] اور سرکاری خزانہ میں دونوں سے کوئی ایک مطالبہ پورا کرنے کے لیے رقم نہ ہو تو خزانہ اپنے حساب پر قرض لے کر پہلے قرض چکائے گا اگر ایسا کرنا حکومت کی بہتری کیلئے ہو۔ بشرطیکہ مطالبہ تنخواہ کی سی نوعیت کا نہ ہو۔

۵۔ اگر سرکاری خزانہ میں فاضل فنڈز ہوں تو خزانہ انہیں مستقبل کی ضروریات اور غیر متوقع اخراجات اور ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے رکھ سکتا ہے۔ اور ایک فنڈ کی فاضل رقم بطور قرض دوسرے فنڈ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے لی جا سکتی ہے اس سے جدید نظام کے "مختصر عرصہ کے قرضوں" کے طریقہ سے بھی نجات مل سکتی ہے۔

۶۔ سرکاری خزانہ کی طرف منتقل ہونے والی قومی آمدنیوں میں اس کا کردار بالکل وہی ہوگا جو یتیم کے مال کے نگران کا۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجیئے کہ سرکاری خزانہ کا کردار ریاست کی بہتری کے کاموں میں "مشکلات پر قابو پانے والا" کا ہونا چاہیئے۔ لیکن یتیم کے مال کے برخلاف سرکاری خزانہ کی طرف منتقل ہونے والی حقیقی جائیداد ایک غیر محدود عرصہ کے لیے ٹھیکہ بھی دی جا سکتی ہے۔

۷۔ جب سرکاری خزانہ کے پاس کسی قسم کی ہنگامی حالت (جنگ یا سیلاب وغیرہ) کا مقابلہ کرنے کے لیے فنڈز نہ ہوں تو تمام مسلمانوں پر یہ فرض کفایہ بن جاتا ہے کہ وہ سرکاری خزانہ کی مدد کریں۔

---

[1] الماوردی الاحکام السلطانیہ صفحہ ۳۶۹۔

باب ۲

اسلام کا عادلانہ نظام محاصل

اسلام کا نظام مالیات معتدل اور عادلانہ نظام محاصل پیش کرتا ہے۔ اسلام نے مفتوحہ علاقوں میں نہ صرف مروجہ ظالمانہ ٹیکسوں کو بیک جنبش قلم محو کر دیا بلکہ ایک عادلانہ نظام ٹیکس بھی مروج کیا جس کی نظیر سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت دونوں پیش کرنے سے عاجز ہیں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نظائر قابل توجہ ہیں۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں دیکھا کہ کچھ آدمی دھوپ میں کھڑے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کی بنا پر انہیں سزا دی جا رہی ہے۔ پتہ چلا کہ وہ لوگ ادائیگی کے قابل نہیں تھے۔ آپ نے اپنے عاملوں کو سختی سے اس ظالمانہ روش پر ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

دعوهم لا تكلفوهم مما لا يطيقون قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول! لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس في الدنيا ليعذبهم الله يوم القيمة وامر بهم فخلى سبيلهم الخ[1]

ترجمہ: ان کو چھوڑ دو اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دو۔ اس لیے کہ میں نے

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج، المطبعۃ السلفیۃ، قاہرۃ ۱۳۸۲ھ، ص ۱۲۵ ابو عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۴۳

رسول اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب میں نہ ڈالو اس لیے کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔ . . . .
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا پھر حکم دے کر ان کو عذاب سے نجات دلائی۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ وصیت مشہور ہے۔

اوصی الخلیفۃ من بعدی باھل الذمۃ خیرا ان یوفی لھم بعھدھا وان یقاتل من اعدائھم وان لا یکلفوا فوق طاقتھم الخ [1]

ترجمہ: میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ذمیوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اور ان کے عہد کو پورا کرے۔ ان کی حفاظت میں ان کے دشمن سے جنگ کرے اور (ادائیگی خراج) میں ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالے

"عن عبد الرحمٰن بن جبیر بن نضیر عن ابیہ ان عمر بن الخطاب اتی بمال کثیر قال ابو عبید احسبہ قال من الجزیہ فقال انی لاظنکم قد اھلکتم الناس؟ قالوا لا واللہ ما اخذنا الا عفواً صفواً قال بلا سوط ولا نوط؟ قالوا نعم قال الحمد للہ الذی لم یجعل ذالك علی یدی ولا فی سلطانی [2]

ترجمہ: حضرت عبد الرحمان رضی بن جبیر بن نفیر راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی کے پاس جزیہ کا بہت سا مال پیش کیا گیا، حضرت عمر رضی نے فرمایا مجھے یہ خیال آرہا ہے کہ تم نے لوگوں کو برباد کر کے یہ جمع کیا ہے، عاملوں نے کہا بخدا ایسا نہیں ہوا

---

[1] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۴۴
[2] ابو عبید: حوالہ بالا، ص ۴۴

ہم نے ان کی حاجات سے فاضل مال میں سے ان کی رضامندی سے وصول کیا ہے۔ دریافت فرمایا بغیر مار پیٹ اور باندھ کر لٹکانے جیسی تکلیف کے؟ سب نے عرض کیا بیشک بغیر ایذا دیئے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس اللہ کریم کا بے حد شکر ہے جس نے میرے ہاتھ سے ایسے کام نہیں کروائے اور نہ میرے زمانہ خلافت میں اس قسم کے مظالم ہو سکے

ایک مرتبہ سعید بن عامرؓ والی شام نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی جب وہ دربار خلافت میں آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت باز پرس کی۔ سعید بن عامرؓ نے جواب دیا کہ آپ نے دو حکم دیئے تھے میں ان دونوں پر عامل ہوں ایک یہ کہ کاشت کاروں پر فی کس چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگاؤں اور دوسرے یہ کہ ادا لگان میں نرمی سے کام لوں سو میں اس وقت تک لگان نہیں لگاتا جب تک ان کی خوب آمدنی نہیں ہو جاتی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر فرمایا یہی چاہیئے اب میں تجھ کو معزول بھی نہیں کروں گا۔

قال امرتنا ان لا نزید الفلاحین علی اربعۃ دنانیر فلسنا نزیدھم علی ذالک ولکنا نوخرھم الی غلاتھم فقال عمر لا عزلتك ما حییت[1]

ترجمہ: سعیدؓ نے کہا آپ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ کاشتکاروں پر چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگائیں۔ سو ہم اس کے پوری طرح پابند ہیں، اور ہم ان سے وصول کرنے میں ان کی آمدنی تک تاخیر کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تجھ کو زندگی بھر معزول نہیں کروں گا۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے والی کوفہ کو مفصل خط تحریر فرمایا تھا جس میں درج تھا

---

[1] ابو عبید: ص ۴۴

ولا من العامرا لا وظیفة فی رفق وتسکین لاھل الارض الخ [1]

ترجمہ: اور آباد زمینوں پر مقررہ خراج سے ہرگز زیادہ نہ لو۔ اور جو بھی وصول کرو اہل زمین سے نرمی اور دلجوئی کے ساتھ وصول کرو۔

امام ابو یوسف ان ہی روایات کے پیش نظر ارشاد فرماتے ہیں۔

ولا یضربن رجل فی دراھم خراج ولا یقام علی رجلہ فانہ بلغنی انھم یقیمون اھل الخراج فی الشمس ویضربونھم الضرب الشدید ویعقلون علیھم الجرار ویقیدونھم بما یمنعھم عن الصلوٰۃ ھذا عظیم عند اللہ شنیع فی الاسلام الخ [2]

ترجمہ: اے ہارون! کسی شخص کو بھی لگان (خراج) کے سلسلہ میں زدوکوب نہ کیا جائے اور نہ ایک پیر پر کھڑا رکھا جائے۔ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض وصول کرنے والے اس قسم کی ذلیل حرکتیں کرتے ہیں کہ اہل خراج کو دھوپ میں کھڑا کرتے ہیں، ان کو سخت مار پیٹ کرتے ہیں ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکاتے ہیں اور ان کو قید کرتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہ پڑھ سکیں۔ حالانکہ یہ تمام باتیں اللہ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہیں اور اسلام ان حرکتوں کو بدترین سمجھتا ہے۔

اور آگے ارشاد فرماتے ہیں۔

ان العدل وانصاف المظلوم وتجنب الظلم مع ما فی ذالک من الاجر یزید به الخراج وتکثر به عمارۃ البلاد والبرکۃ مع العدل تکون وھی تفقد مع الجور والخراج الماخوذ مع الجور تنقص البلاد به تخرب الخ [3]

ترجمہ: واضح رہے کہ عدل اور مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظلم سے پرہیز، ان باتوں میں

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۸۶

[2] حوالہ بالا، ص ۱۰۹

[3] ایضاً۔

جو کچھ اجر و ثواب ہے وہ تو ظاہر ہے، اور اس کے علاوہ یہ فائدہ ہے کہ اس سے خراج بڑھتا ہے اس سے شہروں کی آبادی بڑھتی ہے۔ اور انصاف سے برکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ظلم سے برکت مٹ جاتی ہے اور جو لگان (خراج) ظلم سے حاصل ہوتا ہے اس سے شہر اجڑ جاتے ہیں۔ اور ملکوں میں تباہی اور خرابی آتی ہے۔

اس لیے امام ابو یوسف ہارون الرشید کو ذمی کاشت کاروں سے وصول خراج (لگان) سے متعلق احکام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وامرك ان لا تاخذ فی الخراج الا وزن سبعة ليس فيها تبر ولا اجور الضرابين ولا اذابة الفضة ولا هدية النيروز والمهرجان ولا ثمن الصحف ولا اجور الفتوح ولا اجور البيوت ولا دراهم النكاح الخ[1]

ترجمہ: ہارون! میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو خراج میں وزن سبعہ (درہم و دینار کی ایک خاص قسم جو عام طور پر رائج تھی) کے علاوہ نہ لینا کہ اس وزن میں خالص سونے کے پتر داخل نہیں ہیں۔ اور سکہ ڈالنے والوں کی اجرت بھی نہ لینا، اور نہ چاندی پگھلانے کی اجرت لینا اور نہ نوروز اور مرجان کے ہدایا (بھینٹ) لینا، اور نہ رسید کی لکھائی کی اجرت اور نہ نہر کے پانی کی اجرت اور نہ مکانوں کی اجرت (ہاؤس ٹیکس)، اور نہ نکاح کا ٹیکس لینا۔

"ولا يوخذ اهل الخراج برزق عامل ولا اجر مدى ولا احتفان ولا نزلة ولا حمولة طعام السلطان ولا يدعى عليهم بنقيصة فتوخذ منهم ولا يوخذ منهم ثمن صحف ولا قراطيس ولا اجور

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۹۰۔

الفتوح ولا اجور الكيالين ولا مؤمنة لاحد عليهم فى شئ م
ذالك ولا قسمة لا نائبة سوى الذى وصفنا من المقاسمة الخ

ترجمہ: اور اہل خراج سے نہ تحصیل دار کی تنخواہ مجرا کی جائے اور نہ تولنے اور ناپنے کی اجرت لی جائے اور نہ کتائی کی اور نہ خلیفہ کے لیے رسد اور مہمان نوازی کے سلسلہ میں کو بار ڈالا جائے اور نہ یہ بہانہ بنا کر اور الزام لگا کر کہ انہوں نے پیداوار میں سے چر لیا ہے ان سے مزید لیا جائے۔ اور نہ رسید اور رجسٹر کی اجرت لی جائے اور نہ نہر کے پانی کی اور نہ تولنے والوں کی اور نہ اس قسم کا کوئی اور بوجھ ان پر ڈالا جائے ا بٹائی کے اس حصہ کے علاوہ جو ہم نے بیان کر دیا ہے، نہ کسی اور قسم کا حصہ لیا جائے او حادثہ کا تاوان ان پر ڈالا جائے۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی نے گورنر کوفہ عبدالحمید کو اس سلسلہ میں جو فرمان تھا۔ اس میں یہ احکام درج تھے۔ جو کتاب الخراج سے نقل کیے گیے ہیں [۲]

امام ابو یوسف نے اہل خراج پر عاملوں کی بے عنوانیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی تنبیہ کی تھی کہ رشوت اور بھینٹ کی ظالمانہ رسوم کا کلیتاً انسداد ہونا چاہیئے۔

تحریر فرماتے ہیں:

"إنما منهم اخذ شئ من الخراج كان او من اموال الرعية. ثم انهم ياخذون ذالك فيما يبلغني بالعسف والظلم والتعدى ثم لا يزال الوالى ومن معه قد نزل بقرية يأخذ اهلها من نزلة بما لا يقدرون عليه ولا يجب عليهم حتى يكلفوا ذالك [۳]

---

[۱] ابو یوسف، ص ۱۹

[۲] حوالہ بالا، ص ۸۶

[۳] ایضاً، ۱۰۷

ترجمہ: ان عاملوں کا تو یہ مذہب ہے کہ بہر حال لینا چاہیے خواہ وہ مقررہ خراج ہو یا رعیت کا ذاتی مال متاع اور مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے۔ یہ جبر وظلم اور سختی کرتے ہیں اور لے کر چھوڑتے ہیں، پھر حاکم اور اس کے کارندے اگر کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو حق مہمانی کے نام سے وصول کرتے ہیں، حتیٰ کہ ان کی طاقت سے بھی زیادہ لے لیتے ہیں اور جو حق ان کے ذمہ نہیں ہے اس کو ظلماً حق بتا کر لیتے ہیں۔

اس نظام ٹیکس میں غریب رعایا پر کس قدر شفقت اور کرم کیا جاتا ہے اس کا اندازہ حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کے اس جملہ سے ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مظلوم مصری کسانوں کے بارے میں لکھا تھا۔

" ایک مخلوق جس پر خدا کی مہربانی ہے اور شہد کی مکھیوں کی طرح دوسروں کے لیے مشقت اور محنت کرتی ہے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتی [1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مظلوم طبقہ سے وہ تمام ٹیکس ہٹا دیے جو عیش پرست حکمرانوں نے ان پر لاد رکھے تھے ٹیلر کے الفاظ میں عرب حکمرانی نے مصریوں کو بھاری ٹیکس سے بہت بڑی نجات دلائی [2]

نامور مسلم معیشت دان مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے اسلام کے نظام ٹیکس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عدل وظلم کی حکومت کے درمیان ہمیشہ سے یہ امتیازی فرق چلا آتا ہے کہ عدل کی

---

[1] موسیولی بان: تمدن عرب (ترجمہ سید علی بلگرامی) ص ۲۰۲

[2] حوالہ بالا: ص ۳۱۲-۳۱۳

حکومت کا نصب العین رعایا اور عوام (پبلک) کی خدمت ہوتا ہے اور اس لیے عادل بادشاہ (حکمران) کا شاہی خزانہ رفاہ عام اور پبلک خدمات اور ان کی خوشحالی کے لیے ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی ذات پر ضروری حاجات سے زیادہ اس میں سے خرچ نہیں کرتا اور نہ عوام کو ٹیکسوں کی کثرت سے پریشان حال بناتا ہے اس کے برعکس جبر و ظلم کی حکومت کا منشاء بادشاہ اور حکومت کا اقتدار ذاتی تعیش اور اسی کا استحکام ہوتا ہے اس لیے وہ نہ رعایا کے دکھ درد کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ان کی راحت و آرام کا خیال کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اگر کچھ ہو بھی جاتا ہے تو وہ حکومت کے مفاد و مصالح کے پیش نظر ضمنی ہوتا ہے۔ نیز اس حکومت کی رعایا ہمیشہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبی رہتی ہے اور اس ملک کی اکثریت افلاس و غربت ہی کا شکار رہتی ہے [1]

الغرض، اسلام کے نظام مالیات میں ظالمانہ ٹیکسوں کا نہ شرعی جواز نہ وجود اگر ہیں تو صرف عادلانہ اور مصالحانہ۔

ٹیکس کے اسلامی اصول

بعض مسلم معیشت دانوں نے اسلامی محاصل کے اصول کا جائزہ آدم اسمتھ (Adam Smith) کے بیان کردہ چار قوانین کے تحت لیا ہے مگر اس ذہنی مرعوبیت سے ہٹ کر ہم خالصتہً اسلامی نقطہ نظر سے اسلامی کے اصول محصول وضع کر سکتے ہیں۔

---

[1] محمد حفظ الرحمان سیوہاروی : قصص القرآن، جلد ۳، ناشران قرآن لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور، ص ۳۱۲ - ۳۱۳

۱۔ اصول عقیدہ و نظریہ:- اسلامی ریاست کا مسلمان شہری بعض ٹیکس محض اپنا مذہبی فریضہ اور عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

مثلاً زکوٰۃ، عشر وغیرہ قرآن مجید میں تقریباً ۴۲ مقامات پر زکوٰۃ کا ذکر نماز کے بعد کیا گیا ہے جس سے اصول عقیدہ کے تحت زکوٰۃ کی ادائیگی کس قدر ضروری اور وجدانی طور پر سہل نظر آتی ہے اور بعض ٹیکس اس لیے ادا کرتا ہے کہ اسلامی ریاست اس کے عقیدہ ایمان کی حفاظت کرتی ہے نیز اسلامی ریاست ان شعار کو قائم کرتی اور پروان چڑھاتی ہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے۔

اسی طرح ذمی رعایا اپنے جزیہ اور خراج اس لیے ادا کرتے ہیں کہ وہ اسلامی ریاست میں امن و امان سے رہ کر اپنے مسلمہ معتقدات پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

۲۔ معاشرتی اصول: اسلام کے مالیاتی نظام میں محصول کا دوسرا اصول "معاشرتی اصول" ہے جس کے تحت اسلام ٹیکسوں کے ذریعے معاشر اور معاشی دونوں غرضوں کو پورا کرتا ہے۔ یعنی ایک طرف ریاست کو آمدنی ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف معاشرتی اونچ نیچ کا علاج بھی ہوتا ہے۔ اسلام اس غیر پسندیدہ صورت کو برداشت نہیں کرتا کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں جمع رہے، چند سرمایہ دار ملک و قوم کے مقدر سے کھیلتے رہیں۔ اور غرباء کو اپنا محتاج بنا کر رکھیں بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ دولت جو دراصل اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے قوام حیاۃ ہے وہ مسلسل گردش کرتی رہی اس لیے اسلام ٹیکس لگا کر اس معاشرتی او معاشی تفاوت کا علاج کرتا ہے۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ [۱]

ترجمہ: تاکہ دولت تمہارے مالداروں ہی میں گردش نہ کرتی رہے)

---

[۱] سورۃ الحشر (۵۹): ۷

قرآن مجید نے ٹیکس کے اس اصول کو ایک اور جگہ یوں بیان کیا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ[1]

ترجمہ: (وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیں جو زائد از ضرورت ہو۔)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے محصول کا مقصد سمجھاتے ہوئے فرمایا:

تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ[2]

ترجمہ: زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔

۳۔ اصول مساوات: اسلام کے مالیاتی نظام میں ٹیکس ریاست کے مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے شہریوں پر لگائے جاتے ہیں علاوہ ازیں امراء پر بھی اور غرباء پر بھی۔ امراء سے مراد وہ صاحب نصاب لوگ ہیں جن سے زکوٰۃ اور عشر وغیرہ لیا جاتا ہے غرباء سے ٹیکس دو صورتوں میں لیا جا سکتا ہے۔

۱۔ درآمدات کا محصول ان سے بالواسطہ کم و بیش وصول کیا جاتا ہے۔

۲۔ ہنگامی حالات میں ان سے بھی قربانی۔ گو نہایت قلیل ہو۔ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے غرباء کو جب اغنیاء کے فاضل اموال سے ملے گا تو ان سے کچھ وصول بھی کیا جا سکتا ہے قرآن حکیم کا یہ ارشاد غالباً اس کی دلیل بن سکتا ہے۔

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[3]

ترجمہ: اور وہ دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے اور اگرچہ وہ خود بھوکے ہوں۔

---

[1] سورۃ البقرہ (۲): ۲۱۹

[2] بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر ۱

[3] سورۃ الحشر (۵۹): ۹

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد افضل الصدقۃ جھد من مقل (بہترین صدقہ اس شخص کا ہے جو قلیل المال ہو کر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے) اس مسئلہ کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبیلہ کے بارے میں جو ارشاد فرمایا وہ اس پر جواز کی سند رکھتا ہے۔

"ان الاشعریین اذا ارملوا فی الغزو وفنی زادھم او قل طعام عیالھم بالمدینۃ جمعوا ما کان عندھم فی ثوب واحد ثم اقتسموا بینھم فی اناء واحد بالسویۃ بینھم فھم منی وانا منھم" [1]

ترجمہ: اشعری قبیلہ کے لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ جنگ (ہنگامی حالت) کے لیے روانہ ہوتے ہیں اور ان کا زادِ رہ ختم ہونے کو آئے یا مدینہ میں رہتے ہوئے ان میں غذائی (اشیاء کی) قلت محسوس ہو تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں پھر ایک برتن کے ساتھ اسے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ وہ (اپنے اس ایثار کی بنا پر) مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔

اور غیر مسلموں کی جب اسلامی ریاست جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے اور ان سے بیرونی دشمن سے حفاظت کے وقت جان کی قربانی کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا تو ان سے اس حفاظت کے صلہ میں کچھ وصول کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ضابطہ یہ قرار دیا گیا ہے۔

الجبایۃ بالحمایۃ

ترجمہ: محصول حفاظت کرنے پر ہی ہے۔

---

[1] مسلم: باب فضائل الاشعریہ

اور مسلمانوں کے لیے تو بآسانی یہ قانون بنا دیا گیا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

وان لا یاخذ منھم الا فضلھم عن رضاھم [1]

ترجمہ: ان کی رضامندی سے ان کے اتنا ہی مال لیا جائے جو ان کی ضروریات سے زائد ہو۔

۴۔ تیقن کا اصول: اسلام کے نظام محصول کا چوتھا اصول "اصول تیقن" ہے یعنی جو ٹیکس بھی لگائے جاتے ہیں ان کی قانونی حیثیت، ان کی مقدار، ان کا وقت ادائیگی، طریقہ ادائیگی اور ضرورت ادائیگی سب کا علم ٹیکس دہندگان کو ہوتا ہے۔ آپ اسلامی ریاست کے کسی ٹیکس کو لیں یہ اصول اس پر پورے طور پر لاگو ہوگا مثلاً زکوٰۃ، خراج، جزیہ، عشور وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں ان کی تمام جزئیات متعین تھیں اور ایسے تمام ٹیکسوں کی اسلام نے حوصلہ شکنی کی ہے جن کا عوام کو تیقن ہی نہ ہو۔

۵۔ اصول سہولت: اس اصول کے تحت اسلام نے ٹیکس دہندگان کو ٹیکس کی ادائیگی، اس کی ادائیگی کے طریقہ کار اور وقت ادائیگی میں سہولت پیدا کر دی ہے مثلاً عشر ہی کو لیں یہ صرف اس وقت لاگو ہوتا ہے جب فصلیں پک کر تیار ہو جائیں اور طریقہ ادائیگی میں سہولت کی مثال پھلوں کا عشر ہے کہ انہیں درختوں پر ہی موزوں کر لیا جاتا ہے اور کاشتکار کو انہیں توڑنے اور پھر وزن کرنے کے جنجال سے بچایا گیا ہے۔ معدنیات کے خمس میں بھی اسی کو ہی پیش کیا جا سکتا ہے اور ان کی قیمت کو بھی اسی طرح جزیہ کی ادائیگی میں جنس اور نقد دونوں کی اجازت ہے۔ حتیٰ کہ بعض صورتوں میں خدمات کی شکل میں بھی جزیہ لیا گیا ہے [2]

---

[1] بخاری: فضائل عثمان رضی اللہ عنہ۔

[2] بلاذری: فتوح البلدان، مطبع ازہر قاہرۃ، الجزیرۃ، ص ۱۷۸۔

ادائیگی کا وقت بھی موزوں ہے کہ ٹیکس دہندہ ان سے اسی وقت لیا جاتا ہے جب ان کے پاس ادائیگی کے لیے کچھ ہوتا ہے۔

اصول سہولت کے تحت عوام پر ایسا ٹیکس یا اتنی مقدار میں ٹیکس نہ ہو جو انہیں مغلوب کر دے یا بغاوت پر آمادہ کر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو اس بارے میں اس قدر اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ جب کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دجلہ کی ایک سمت اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ دجلہ کی دوسری سمت کا خراج وصول کر کے واپس ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: شاید تم نے ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ وصول کیا ہوگا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو ان کے پاس چھوڑا ہے اس کے مقابلہ میں یہ بہت ہی کم مقدار ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے پاس اس سے دوگنا حصہ چھوڑ آیا ہوں [۱]

ذمیوں سے جزیہ کے وصول کے سلسلہ میں اصول سہولت کی تشریح کرتے ہوئے فقہاء اسلام نے کہا ہے۔

لا یظلموا ولا یؤذوا ولا یکلفوا فوق طاقتھم ولا یؤخذ شیٔ من اموالھم الا بحق یجب علیھم [۲]

ترجمہ: ان پر ظلم کیا جائے نہ انہیں تکلیف دی جائے نہ ان پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بار ڈالا جائے جو ان پر واجب نہ ہو)

۴۔ اصول کفایت:۔ اسلام کے نظام ٹیکس کا اصول کفایت مندرجہ ذیل صورتوں میں اپنا عمل کرتا ہے۔

---

[۱] ابو یوسفؒ، حوالہ بالا: ۳۷

[۲] حوالہ بالا، ص ۲۵

۱۔ ٹیکس دہندگان پر ٹیکس اس طور پر لگایا جاتا ہے کہ اس سے حاصل شدہ رقم سرکاری اخراجات کی کفایت کرے اور بصورت ہنگامی حالات رعایا سے بعد میں نہایت قلیل مقدار وصول کی جائے۔

۲۔ ٹیکس کی وصولی کے اخراجات اتنے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں جو حاصل شدہ رقم کا ہی کثیر حصہ لے اڑیں۔

۳۔ اخراجات اس قدر زیادہ نہ ہوں جن کو ٹیکس کفایت ہی نہ کر سکیں۔ اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے زکوٰۃ کی وصولی کے اخراجات ۲۰ سے ۵۰ فیصد تک ہوں [1]

اسلام کے نظام مالیات میں ٹیکس کا کردار

۱۔ اکثر ٹیکس بلاواسطہ ہیں۔

۲۔ شہریوں کی جائز معاشی کمائیوں کو محدود کرنے پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا۔ البتہ بے جا مصرف کو ٹیکسوں کے ذریعے کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ آمدنی پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں بلکہ زائد اور جمع شدہ دولت پر ہے جو نصاب کے مطابق ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے۔ جیسے زکوٰۃ۔

۴۔ پیداوار کے ذرائع اور آلات پیدائش پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں۔
لہٰذا تمام مشینیں، کارخانوں کی عمارات، جہاز اور دیگر تمام ذرائع نقل و حمل پر مقررہ ٹیکس نہیں۔

۵۔ درآمدات و برآمدات پر اسلام نے کوئی ٹیکس نہیں لگایا تھا۔ البتہ جب دیگر ممالک

---

[1] تفسیر مظہری، آیت الصدقات

مسلمان تاجروں پر ٹیکس لگائیں تو اسلامی ریاست بھی ایسا کر سکتی ہے مگر ضروری نہیں[1]۔ البتہ اسلامی ریاست مسلمان تاجروں کے اموال تجارت سے عشور (یعنی اموال تجارت کی زکوٰۃ) وصول کر سکتی ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کے عمل سے ثابت ہے اور اس کے جواز پر اجماع بھی ہے۔

۶۔ حصول انصاف کے راستے میں کوئی مقررہ ٹیکس اسلام میں نہیں لہٰذا کورٹ فیس وغیرہ ناجائز ہیں۔

۷۔ سرکاری صنعتوں کے قیام کے لیے ٹیکس لگانا بھی جائز نہیں بلکہ اندرونی اور بیرونی سرکاری قرضوں سے کئے جائیں۔ یا شراکت و مضاربت کی بنیاد پر عوام کے تعاون سے ہوں۔

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ ٹیکس لگانے کا حکومتی حق

اسلامی ریاست کی اجتماعی فلاحی سکیموں اور منصوبوں کے لیے اسلام کے مالیاتی نظام میں دس بارہ مروج ذرائع آمدن رہے ہیں لیکن اسلامی ریاست کو ان ذرائع کے علاوہ اور ہنگامی ٹیکس لگانے کی بھی اجازت ہے۔ فقہاء کرام نے ان ٹیکسوں کو ضرائب و نوائب وغیرہ کا نام دیا ہے۔ ان ضرائب کا جواز مندرجہ ذیل آیات اور احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ[2]

ترجمہ: اور قرابت والوں اور مسکین اور مسافر کے جو حق تم پر واجب ہیں وہ ادا کرو۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ[3]

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے

---

[1] ابن حزمؒ: المحلیٰ، ج ۶، ص ۱۱۴

[2] سورۃ الروم (۳۰: ۳۸)

[3] الذاریات (۵۱: ۱۹)

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ[1]

ترجمہ: اور وہ آپ سے دریافت کریں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال ان فی مالک حق سوی الزکاۃ[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تیرے مال میں زکٰوۃ کے علاوہ بھی (اجتماعی) حقوق ہیں۔

عن علی بن ابی طالب یقول ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقرائھم فان جاعوا او عروا جھدوا فبمنع الاغنیاء[3]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مالوں میں اس قدر فرض کر دیا ہے جو ان کے فقراء کی کفالت کر سکے پس اگر فقراء بھوکے ہیں یا ننگے ہیں اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہو گا کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برت رہیں۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے دیگر صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے فقہاء کرام میں سے عطا ابن ابی رباح، امام شعبیؒ، طاؤس حماد بن سلمہؒ ابوعبید قاسم بن سلامؒ کا بھی

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲): ۲۱۹

[2] ابن عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، ص ۵۷

[3] ابن حزم: حوالہ بالا، ص ۳۵۶

ن مذہب ہے [1]

ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے۔

وفرض علی الاغنیاء من اهل کل بلد ان یقوموا بفقرائهم و

ویجبرهم السلطان علی ذالك ان لم تقم الزکاۃ بهم [2]

ترجمہ: اور ہر شہر کے مالداروں پر فرض ہے کہ اپنے محتاجوں کی کفالت کریں اور سلطان انہیں اس پر مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ زکوٰۃ کی آمدنی اس مقصد کے لیے ناکافی ہے۔

فقہاء اسلام کے نزدیک ناگہانی ضرورت مثلاً حادثہ، جہاد وغیرہ کی صورت میں سرکاری خزانہ کی مدد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ بن جاتا ہے۔ اور اگر ضرورت ایسی ہو کہ کسی خاص علاقہ کے لیے مخصوص ہو تو اس کی ذمہ داری عام نہیں ہوگی [3]

ان ضرائب کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ تبوک کے لیے صحابہ کرام پر چندہ لگانا ہے جس کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے مخیر تو گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر لائے تھے۔

مفادِ عامہ کے لیے جو جائز ٹیکس لگائے جائیں ان کی ادائیگی فقہاء کرام کے نزدیک ضروری ہے۔

ایسے جدید محاصل جو جائز طور پر لگائے گئے ہیں جیسے مشترکہ نہر کھودنے کے لیے یا پہرہ دار کی اجرت کے لیے یا اسلامی فوج لیس کرنے کے لیے یا جنگی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے یا اس طرح کے دیگر کاموں کے لیے ایسے محاصل کی ادائیگی بالاتفاق جائز ہے [4]

---

[1] ابو عبید: ص ۳۵۷ - ۸

[2] ابن حزم: ص ۳۵۶

[3] ابو یعلیٰ: الاحکام السلطانیہ، مطبع مصطفیٰ علبی قاہرہ، ۱۳۵۷ھ، ص ۳۷

[4] مرغینانی: الہدایہ ج ۳، کتاب الکفالۃ

ان ٹیکسوں کی ضرورت پر علامہ ابن ہمامؒ کی رائے یہ ہے۔[1]

ایسے نئے محصول کی ادائیگی صاحب استطاعت مسلمان پر واجب ہے کیو

حاکم وقت کی اطاعت ہر ایسے امر میں واجب ہے جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔[2]

البتہ وہ محاصل جو مفاد عامہ کے لیے نہ ہوں ان کی ادائیگی میں فقہاء کا اختلاف ہے

شمس الائمہ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں یہ حکم تو اس زمانہ کے لیے تھا کیونکہ اس وقت مصیبت

اور جہاد میں اعانت ہوا کرتی تھی اور ہمارے زمانے میں تو اکثر ٹیکس ظلم سے لیے جاتے ہیں

جس شخص کے لیے ممکن ہو کہ اپنی ذات سے ظلم دور کرے تو وہ اس کے حق میں بہتر ہے[3]

شمس الائمہ نے تو یہاں تک لکھا اگر کوئی دینا ہی چاہتا ہے تو ایسے شخص کو دے

ظلم کو اپنی ذات سے دور کرنے سے عاجز ہے یا ایسے نادار کو دے جو اپنی ناداری کی اعا

کے مقابلہ میں کرے اور دینے والا ثواب پائے[4]

ماوردی نے حاکم کے ظلم اور عوام کا جائزہ ٹیکسوں کے لیے تعاون کے سلسلہ میں نہا

بلیغ جملہ کہا ہے۔

لان الزیادۃ ظلم فی حقوق الرعیۃ۔ النقصان ظلم فی حقوق بیت

ترجمہ: کیونکہ زیادتی رعایا کے حقوق پر ظلم کرنا ہے اور کمی بیت المال پر ظلم ہے۔[5]

ایک دن ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے امیر المومنین

---

[1] ۔ ابن ہمام: فتح القدیر، ج ۵، کتاب الکفالۃ، ص ۲۳۴۔

[2] ۔ مرغینانی، حوالہ بالا۔

[3] ۔ ابن ہمام: فتح القدیر، ج ۵، کتاب الکفالۃ، ص ۲۳۴

[4] حوالہ بالا۔

[5] ماوردی: الاحکام السلطانیہ، مطبع ۔۔۔ قاہرۃ، ص ۱۹۸

خلیفہ اور بادشاہ) میں فرق ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کہ خلیفہ نہ بیجا لیتا ہے اور نہ بے جا صرف
ے اور الحمد للہ آپ ایسے ہی ہیں، اور بادشاہ رعایا پر ظلم ڈھاتا ہے اس سے لیتا ہے اور اس
ہے۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ [۱]
جہاں تک جنگی چندوں کا تعلق ہے اس کے بارے میں فقہاء کی رائے ہے کہ اگر سرکاری
یں اتنی رقم ہے کہ جنگی اخراجات پورے کیے جا سکتے ہیں تو عوام سے چندہ کی اپیل کرنا
ل لگانا مکروہ ہے اور اگر سرکاری خزانہ خالی ہے یا اخراجات پورے نہیں کر سکتا تو اس
زت ہے [۲] غالباً جہاد اور فلاحی جنگ کے لیے یہ رائے نہیں ہوگی (واللہ اعلم)

اس بحث سے ہم مندرجہ ذیل اصول اخذ کرتے ہیں۔

اسلامی ریاست کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ بھی ٹیکس لگانے کا حق حاصل ہے۔

یہ زائد ٹیکس اس وقت لگ سکتی ہے جب باقاعدہ شرعی ٹیکسوں اور حکومت کے اپنے پیداواری اور دیگر ذرائع آمدنی سے اس قدر آمدن نہ ہو جو اس کی شرعی فلاحی ضروریات کو کافی ہو۔

۲۔ جنگ، قحط، سیلاب، زلزلہ اور دیگر ہنگامی حالات میں حکومت اغنیاء پر ٹیکس لگا کر اپنی دفاعی اور کفالت عامہ کی ضروریات پوری کر سکتی ہے۔
ایسے زائد ٹیکس دائمی نہیں عارضی ہوتے ہیں۔

---

[۱] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ج ۳، ص ۲۲۱ ــــ علامہ سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۵۴۔
[۲] مرغینانی، الہدایہ، ج ۲، کتاب السیر

باب ۳

بیت المال کا سرکاری خزانہ

بیت المال اپنے جامع مفہوم میں وہ ادارہ ہے جو اسلامی ریاست کی مالیاتی
کو بروئے کار لانے اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے قائم کیا جاتا ہے، البتہ اپنے
اور عام فہم مفہوم میں بیت المال اس عمارت کو بھی کہتے ہیں جو سرکاری خزانہ کا محفوظ
ہوتا ہے۔ اپنے جامع مفہوم کے اعتبار سے تو بیت المال کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
مبارک زمانہ میں ہی پڑ چکی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین، یمن اور عمان سے آ
والی خراج اور جزیہ کی رقم کو فقراء اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما کر یہ واضح فرما
کہ اسلام کی مالیاتی پالیسی کا مقصد غربت اور افلاس کے خاتمہ کے ساتھ معاشی خوش حالی کا
بھی ہے مؤرخین کے بیان کے مطابق ان دنوں جزیہ، خراج اور دیگر ذرائع سے ہونے والی
کو مسجد نبوی کے صحن میں رکھ دیا جاتا اور فوراً مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ البتہ بیت المال بحیثیت
سرکاری خزانہ کے محفوظ مقام کا قیام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا اور حضرت
ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ اس کے نگران مقرر ہوئے۔ لیکن جو مال آتا وہ فوراً تقسیم
کر دیا جاتا۔ لہٰذا آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند صحابہ کرام کے ہمراہ بیت المال
معائنہ کرنے گئے تو اُسے خالی پایا[1]۔ اس مبارک زمانے میں بیت المال میں زر محفوظ ر

---

[1] ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، مطبع بریل، لیدن، ۱۳۲۱ھ، ج ۳۔ ابوبکر الصدیق جلال الدین سیوطی: تاریخ الخلفاء، ص۔ ۸

(Reserved Fund) کی کوئی مد نہ تھی جسے ناگہانی حالات اور مستقبل کی حاجات کے لیے رکھا جاتا۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایام خیر میں تو بچا رکھنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ بیت المال میں آتا بھی نہیں تھا جتنا ضرورت کیلئے درکار تھا۔

ایک تحقیق کے مطابق بیت المال کا باقاعدہ قیام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۱۵ھ میں ہوا۔ اس کی وجہ بحرین کا پندرہ لاکھ درہم کا مال غنیمت تھا۔ ایک بیت المال مدینہ منورہ میں قائم کیا گیا۔ یہ مرکزی بیت المال تھا اس کے ناظم حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ تھے۔ اس مرکزی بیت المال کے تحت کئی بیوت المال مختلف صوبوں کے مراکز میں قائم کیے گئے۔ ان کے نگران حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کے ماتحت ہوتے تھے۔[1] بالفاظ دیگر حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ پہلے باقاعدہ اس امت مسلمہ کے وزیر مالیات تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قیصر وکسریٰ کے خزینے اور دفینے مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے بیت المال میں منتقل ہو گئے تو اس دور میں بھی آپ کو "بچا اور سنبھال کر رکھنے کی فکر لاحق نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی پرواہ بھی نہ کی کہ بچا اور گن گن کر رکھنا طول اقتدار کا ذریعہ اور دیگر اقوام سے لڑائیوں میں فتح مندی کی وجہ ہوتا ہے۔ آپ کے نزدیک اسلام کی ترویج اسلامی ریاست کا پھیلاؤ اور غلبہ اخلاص عمل، اتحاد امت اور اللہ کریم کی راہ میں مر مٹنے کے جذبہ سے ممکن ہے۔ ان کے جذبہ صادق ہی کا کرشمہ تھا کہ گو سرکاری خزانہ سرخ وسفید (سونا چاندی) سے خالی رہتا تھا مگر اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر شام، عراق، ایران اور مصر کی حدود میں داخل ہو گیا، بڑے بڑے جبابرہ کی گردنیں عظمت

---

[1] الذہبی، شمس الدین: کتاب دول الاسلام فی التاریخ، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد (ہند) ۱۳۲۷ھ، ج ۱، ص ۸۰ — ابن الوردی، زین الدین عمر: تتمۃ المختصر فی اخبار البشر، مطبع وہبیہ قاہرۃ، ج ۱، ص ۱۳۵۔

اسلام کے سامنے جھک گئیں، اللہ کریم کا بول بالا ہوا اور کفار و مشرکین اطاعت کی گردن ڈال
پر آمادہ ہو گئے۔ ایک مرتبہ کسی دور اندیش نے بچا کر رکھنے کی طرف ترغیب دلائی تو فرمایا۔

انی لا اعد للحادث الذی یحدث سوی طاعۃ اللہ و رسولہ وھی
عدتنا التی بلغنا بھا ما بلغنا [1]

ترجمہ: میں مستقبل کے حادثات کے لیے تو بچا اور تیار کر کے نہیں رکھتا، البتہ (بچانے یا
بچانے میں) اللہ کریم اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ضرور کرتا
ہوں اور دراصل یہی وہ ہماری جمع جتھا ہے جس نے ہمیں کہاں سے کہاں
پہنچا دیا۔

البتہ تنخواہوں اور مقررہ وظائف کے لیے رقم محفوظ رکھی جاتی تھی۔ مؤرخین کے
مطابق مدینہ منورہ کے مرکزی بیت المال میں اس مقصد کے لیے مجموعی رقم تین کروڑ درہم
سالانہ رکھی جاتی تھی [2] آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے باقاعدہ رجسٹرز اور دیوان مرتب
کر لئے۔

اس زمانہ میں بیت المال سرکاری خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس وقت
کا مرکزی بنک بھی تھا جو سوائے سود پر قرضہ دینے، تجارتی کاروبار کے لیے قرضوں کا اجراء کرنے
اور نوٹ جاری کرنے کے باقی تمام وہ فرائض (Functions) پورے کرتا تھا جو
آج کل کے مرکزی بنک کرتے ہیں۔ البتہ آج کل بھی بیت المال کو مندرجہ ذیل امور تفویض کئے
جا سکتے ہیں۔

۱۔ سرکار کو مختلف مدات سے ہونے والی آمدنیوں کا ذخیرہ اور ان کی حفاظت۔

---

[1] عوض، بدوی عبد اللطیف، النظام المالی الاسلامی المقارن، قاہرۃ، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، ص ۷۱۔
[2] یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن واضح الکاتب: تاریخ، لیدن، ج ۲، ص ۱۷۵

۲۔ عمال، فوج اور دیگر کارندوں کی تنخواہوں کی تقسیم۔
۳۔ فقراء، مساکین، معذورین اور محتاجوں کی معاشی کفالت۔
۴۔ قرض حسنہ اور الاونس وغیرہ کی ادائیگی۔
۵۔ فلاحی کام۔

بیت المال یا سرکاری خزانہ کے ذرائع آمدن کا تاریخی پس منظر

بیت المال یا سرکاری خزانہ آمدن شمار کرنے قبل اگر ان ذرائع کا ایک مختصر تاریخی جائزہ لے لیا جائے تو بہتر ہوگا تاکہ آپ اندازہ کرسکیں کہ اسلامی ریاست کے بیت المال کے ذرائع فلاحی اور جہادی ضروریات کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ کیونکر بڑھتے گئے۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مستقل ذرائع آمدن یہ تھے۔

۱۔ زکاۃ۔
۲۔ زمینی پیداوار کا عشر۔
۳۔ مال غنیمت کا خمس ($\frac{1}{5}$)
۴۔ جزیہ۔
۵۔ فئ۔
۶۔ خراج۔ آخیر زمانہ میں عمان اور بحرین کی اراضی سے خراج کا محصول بھی ذریعہ آمدن بن گیا۔

۲۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ذرائع آمدن وہی تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دو مستقل ذرائع آمدن کی بنیاد ڈالی گئی اور اموال زکاۃ میں گھوڑوں کو بھی شامل کیا گیا۔ لہٰذا مزید ذرائع آمدن مندرجہ ذیل

میں سامنے آئے۔

ا۔ سواد عراق کی مفتوحہ زمینیں ریاست کی ملکیت ٹھہرائی گئیں اور ان پر خراج لگایا گیا جو آمدن کا مستقل اور قابل اعتماد ذریعہ بن گیا۔

ب بیرونی غیر مسلم تجار پر عشور (درآمدی برآمدی محصول) عائد کر دیا گیا اور یہ بھی مستقل ذریعہ آمدن بن گیا۔

ج: گھوڑے جو تجارتی غرض، افزائش نسل اور زینت وتفاخر کے لیے پالے جاتے تھے ان پر زکوٰۃ لگا دی گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے ـــــــ جو اس دور میں موجود تھے ـــــــ مذکورہ بالا تینوں قسم کے ٹیکسوں کی شرعاً توثیق فرما دی تھی۔

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے زمانوں میں نظام مالیات وہی رہا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مروج تھا۔

مذکورہ بالا مستقل ذرائع آمدنی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور حکومت میں زمین میں مدفون دفینوں اور معدنیات کا $\frac{1}{5}$ بھی لیا گیا اور بالخصوص خلافت راشدہ کے دور میں سمندر سے حاصل شدہ پیداوار (سیب البحر) کا بھی $\frac{1}{5}$ لیا جاتا رہا، اسی طرح لاوارث ترکے اور مرتدین اور عقد ذمہ توڑنے والے غیر مسلموں کی جائیداد بھی بحق بیت المال منتقل ہو جاتی تھی۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں جنگلات کی پیداوار سے بھی آمدن ہونا شروع ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں اراضی حکومت کو لگان پر دیا جاتا رہا جس سے بذریعہ لگان آمدن ہونے لگی۔ ان سب کی روشنی میں فقہاء اسلام نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں مندرجہ ذیل قسم کے ذرائع آمدن مروج تھے۔

۱۔ زکاۃ، عشر، صدقات واجبہ۔
۲۔ خمس: غنائم، رکاز، معادن اور سمندر کی پیداوار کا۔
۳۔ فئی
۴۔ عشور۔ محصولات درآمد جو غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا۔
۵۔ جزیہ۔
۶۔ خراج۔
۷۔ سرکاری اراضی برائے کاشت دے کر اس پر اجارہ لگان وصول کیا جاتا تھا
۸۔ لاوارث ترکے، مرتدین اور عقد ذمہ توڑنے والے ذمیوں کا مال۔
۹۔ سرکاری قرضے: کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادی مقاصد کے لیے غیر مسلموں سے بھی قرضہ لیا ان تمام ذرائع کا مفصل ذکر آئندہ آرہا ہے (انشاء اللہ)۔

۳۔ بنو اُمیہ کے دور حکومت میں نظام مالیات اور بیت المال کے ذرائع آمدن وہی رہے جو خلافت راشدہ میں تھے۔ بعض مورخین نے اعتراضات کیے ہیں کہ بنو اُمیہ کے زمانے میں عوام پر ظالمانہ ٹیکس لگائے گئے مگر وہ کوئی دلیل نہیں پیش کرتے نہ ہی مستند کتب تاریخ سے ایسی شہادتیں ملتی ہیں۔ البتہ بعض خلفاء نے اپنی ذاتی جاگیریں بنائیں مگر عوام سے چھین کر ایسا کرنے کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

۴۔ بنو عباس کے زمانہ میں بیت المال کی کیفیت میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں واقع ہوئی بیت المال کی آمدنی کا سب سے بڑا مستقل ذریعہ خراج مساحت (خراج بذریعہ پیمائش رقبہ) تھا جسے خلیفہ مہدی نے بعد میں خراج مقاسمہ (یعنی پیداوار کا حصہ $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{3}$ وغیرہ) بدل دیا[1]

---

[1] محمد ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ، مطبوعہ مصر، ص ۳۷۶۔

۵۔ بعد کے ادوار میں سرکاری خزانہ کی آمدنی کے مستقل ذرائع خراج اور غیر شرعی ٹیکس رہے ہیں۔ برصغیر کا جو حصہ اموی دور میں فتح ہوا، یہاں خراج مساحت کا رواج رہا جسے علاؤالدین خلجیؒ نے خراج مقاسمہ میں بدلا۔[1]

۶۔ موجودہ دور کی تمام مسلم ریاستوں میں اسلامی مالیاتی نظام کے روایتی ذرائع آمدن (مثلاً زکاۃ، خمس، فئی وغیرہا) تقریباً ناپید ہو چکے ہیں اور مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کا مالیاتی نظام ہم پر مسلّط ہو چکا ہے

ذرائع آمدنی کی اجمالی تقسیم بیت المال یا سرکاری خزانہ کے ذرائع آمدن کے سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اسلامی ریاست کی آمدنی دو طریقوں سے ہوتی ہے وہ ہیں صدقات اور غیر صدقات یا لفاظ دیگر مسلمانوں سے صدقات کے ذریعے اور غیر مسلموں سے دوسرے ذرائع (مثلاً خراج، جزیہ، عشور وغیرہا) سے اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے فقہاء اسلام نے اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن کو مندرجہ ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اموال صدقات: یہ اموال مندرجہ ذیل مدات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

(i)۔ زکاۃ:

ا۔ سونا، چاندی اور اموال تجارت پر۔

ب۔ عشر زمین کی پیداوار پر۔

ج۔ سوائم، جنگل میں چرنے والے مویشیوں پر

(ii) کسٹم ڈیوٹی اور راہداری جو مسلمان تاجروں سے ان کے اموال تجارت پر سے وصول ہوگی۔ دراصل زکاۃ ہی کی ایک شکل ہوگی۔

---

[1] مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ادارۃ المعارف، کراچی، ص ۸۰۔

۲۔ اموال فئی: مندرجہ ذیل طریقوں سے حاصل ہوں گے۔

۱۔ خراج: مسلم اور غیر مسلم دونوں سے وصول کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ مسلمان خراجی زمین کاشت کریں۔

۲۔ جزیہ: غیر مسلموں سے عقد ذمہ کے معاوضہ کے طور پر لیا جائے گا۔

۳۔ عشور: کسٹم ڈیوٹی اور راہ داری جو غیر مسلم تاجروں سے وصول کی جائے گی۔

۴۔ کراء ارض: سرکاری زمینوں کا ٹھیکہ اور اجارہ بصورت لگان۔

۵۔ اوقاف۔

۶۔ لاوارث ترکے۔

۷۔ لاوارث ذمی کی جائیداد۔

۸۔ حربی کا مال جو مسلمانوں کو بطور تحفہ (یا گرانٹ) دے۔

۹۔ مرتدین کی دولت۔

۱۰۔ ذمیوں کا وہ مال و دولت جسے وہ عقد ذمہ توڑ کر اور بھاگ کر جاتے ہوئے چھوڑ جائیں۔

۱۱۔ تاوان جنگ۔

۳۔ اموال غنائم:

۱۔ مال غنیمت کا $\frac{1}{5}$

۲۔ معادن کا $\frac{1}{5}$

۳۔ دفینوں (رکاز) کا $\frac{1}{5}$

۴۔ سمندر سے حاصل شدہ پیداوار کا $\frac{1}{5}$

۴۔ ضوائع اور لقطہ: گرا پڑا مال یا کسی مسلمان کی جائیداد جو لاوارث مر جائے یا مرف

بیوی یا صرف خاوند چھوڑ کر مرے اس قسم کا دوسرا نام "اموال فاضلہ" بھی رکھا گیا ہے۔

۵۔ ضرائب و نوائب: اگر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے کہ اسلامی ریاست کو اپنی شرعی (جہادی اور فلاحی) مالی ضروریات پورے کرنے کے لیے مزید ٹیکس لگانے کی بھی اجازت ہے تو پھر سرکاری خزانہ کی آمدنی کا ایک پانچواں ذریعہ بھی ہوگا جسے ضرائب اور نوائب کا نام دیا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

باب ۴

سرکاری خزانہ یا بیت المال کے ذرائع آمدنی

۱۔ زکوٰۃ

فرضیت اسلامی ریاست کے بیت المال یا سرکاری خزانہ کے مالی ذرائع میں سے اہم ترین زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ نہ صرف اسلام کے نظام مالیات کا اہم ترین ستون ہے بلکہ وہ اسلام کے بنیادی ارکان میں دوسرا اہم ترین رکن بھی ہے۔ قرآن مجید نے فرضیت زکاۃ اور اداءِ زکاۃ کے احکامات ۳۰ مقامات پر ذکر کیے ہیں جن میں سے ۲۷ مقامات زکاۃ کا ذکر فرض صلوٰۃ (نماز) کے ساتھ کیا گیا ہے۔ احکام قرآن کا عالم اس طرح صلوٰۃ اور زکاۃ کے ایک ہی جگہ بیان ہونے سے زکاۃ کی اساسی اہمیت کا اندازہ بخوبی کر سکتا ہے چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ [1]

ترجمہ: اور نماز قائم کیا کرو اور زکاۃ ادا کیا کرو

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ [2]

اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ میں اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲) ۱۱۰:

[2] سورۃ الاعراف (۷) ۱۵۶:

اختیار کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؎۱

ترجمہ: اگر (یہ کفار بھی) توبہ کرلیں اور نماز قائم کرنے والے بن جائیں اور زکاۃ ادا کریں تو یہ تمہارے دینی بھائی بن جائیں۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُوْنَ ؎۲

ترجمہ: اور خرابی ہے ایسے مشرکین کے لیے جو زکاۃ نہیں ادا کرتے اور وہی لوگ آخرت کے منکر ہیں گویا زکاۃ ادا نہ کرنا ایک مشرکانہ فعل ہے اور یہ جرأت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو آخرت کے دن کے منکر ہیں۔

وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ؎۳

ترجمہ: اور جو کچھ زکوٰۃ کے طور پر دیتے ہو، اس کے ذریعے اللہ کریم کی رضا چاہتے ہو ایسے ہی لوگ ہیں جن کے (مال) بڑھتے ہیں۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؎۴

ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ نیکی کی تلقین

؎۱ سورۃ التوبۃ (۹): ۱۱۔

؎۲ سورۃ حٰم السجدۃ (۴۱): ۶-۷۔

؎۳ سورۃ الروم (۳۰): ۳۹۔

؎۴ سورۃ التوبۃ (۹): ۷۱۔

کرتے ہیں اور بدی سے منع کرتے ہیں، وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کی اطاعت کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کریم عنقریب رحم فرمائیں گے، یقیناً اللہ کریم غالب ہیں حکمت والے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ[1]

ترجمہ: وہ (مسلمان تو) ایسے ہیں کہ اگر انہیں زمین میں اقتدار مل جائے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکاۃ ادا کریں گے، نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے، اور تمام امور کا انجام تو اللہ کریم ہی کے لیے ہے۔

ان چند آیات کریمہ کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ زکاۃ اسلام کے مالیاتی نظام کا ایک اہم رکن ہونے کے ساتھ دین کا رکن رکین بھی ہے۔ اس کی ادائیگی دینی فریضہ کا حکم رکھتی ہے۔ اس کی ادائیگی کو مذہبی فریضہ بنا کر اللہ کریم نے اس کی ادائیگی کو نفسیاتی طور پر آسان کر دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد احادیث کریمہ میں اس دینی اور مالی فریضہ کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ چند نظائر درج ذیل ہیں۔

بنی الاسلام علی خمس: شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ، واقام الصلوۃ وایتاء الزکاۃ، وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا[2]

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ ستون ہیں، اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کریم کے سوا کوئی معبود

---

[1] سورۃ الحج (۲۲): ۴۱۔

[2] متفق علیہ، کتاب الایمان،

نہیں اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کریم کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرنا، زکا
ادا کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا اس شخص کے
ہے جو وہاں تک رسائی کی طاقت رکھتا ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ
وان محمداً رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکاۃ [1]

ترجمہ: (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے مقاتلہ کروں
تک کہ وہ اس حقیقت کی شہادت دیں کہ اللہ کریم کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً حضرت
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کریم کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من اتاہ
اللہ مالا فلم یؤدّ زکاتہ، مثل لہ یوم القیامۃ شجاعا اقرع، لہٗ زبیبتان
یطوقہ یوم القیامۃ، ثم یأخذ بلھزمیتہ — یعنی بشدقیہ — ثم یقول
انا مالک، انا کنزک، ثم تلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم الایۃ
ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم من فضلہ ھو خیراً لھم
بل ھو شر لھم، سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ [2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا، جس کسی کو اللہ کریم نے مال عطا فرمایا مگر وہ اس کی زکاۃ نہیں ادا کرتا۔ ا
مال کو قیامت کے دن گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی جس کی آنکھوں کے
دو سیاہ نشان ہوں گے، وہ قیامت کے دن اُس (مالدار) سے لپٹے گا پھر اس کے

---

[1] متفق علیہ، کتاب الایمان۔

[2] بخاری، کتاب الزکاۃ۔

دونوں جبڑوں سے پکڑ لے گا اور کہے گا "میں تمہارا مال ہی تو ہوں، میں تمہارا خزانہ ہی تو ہوں"، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورۃ آل عمران کی آیت (۱۸۰) تلاوت فرمائی "وہ لوگ جو اللہ کریم کے دیئے ہوئے فضل میں سے بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ ایسا کرنا ان کے لیے اچھا ہے بلکہ یہ تو ان کے لیے بُرا ہے۔ کیونکہ جو وہ بخل کر رہے ہیں یہی قیامت کے دن اُن سے لپٹے گا۔"

ما منع قوم الزکاۃ الا ابتلاھم اللہ بالسنین [1]

ترجمہ: جس قوم نے بھی زکاۃ دینا بند کر دی اللہ کریم نے اُسے قحط و گرانی میں مبتلا کر دیا۔

پھر روس ایسا ملک بھی زراعت میں ۱۳ سال سے مسلسل قحط سالی کا شکار ہے جس کے باعث اُسے ۴ کروڑ ۴۰ لاکھ ٹن غلہ درآمد کرنا پڑتا ہے۔ (یہ روزنامہ ٹائم لندن کی ۹ جولائی ۱۹۸۲ء کی رپورٹ ہے)

ولم یمنعوا زکاۃ اموالھم الا منعوا القطر من السماء ولولا البھائم لم یمطروا۔

ترجمہ: اور لوگ اپنے اموال سے زکاۃ دینا نہیں روکیں گے مگر اس کے نتیجہ میں آسمان سے بارش برسنا بند ہو جائیگی اور اگر یہ چوپائے نہ ہوتے تو کبھی نہ برستی۔ [2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور مبارک میں اسلام کے اس مالی رکن کو جاری فرمایا۔ اس کی وصولی اور تقسیم کے طریق کار کی عملی صورت قائم فرمائی مختلف علاقوں میں اپنے عاملین ارسال فرمائے تاکہ وہ اس مالی فریضہ کی وصولی کریں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بحیثیت گورنر اور زکاۃ کلکٹر ارسال فرما رہے تھے تو انہیں فریضہ زکاۃ کی اہمیت اور حکمت سمجھاتے ہوئے فرمایا۔

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، قاہرۃ، ۱۳۵۲ھ، ج ۳، ص ۶۶۔

[2] ابن ماجہ: السنن، کتاب الزکاۃ۔

فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیائھم فترد

ترجمہ: انہیں (اہل یمن کو) آگاہ کر دینا کہ اللہ کریم نے ان پر صدقۃ (زکاۃ) فرض کیا ہے
مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے غرباء کو دیا جائے گا۔

یعنی زکاۃ کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس سے فقراء کی معاشی حالت بہتر بنائی جائے گی
آپ کی حیاۃ طیبہ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس فریضہ کو جا
اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں کچھ لوگوں نے یہ تصور کرتے ہوئے کہ
زکاۃ غالباً صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے زمانہ کے لیے مخصوص تھا
سے انکار کیا اور کہا کہ وہ نماز تو قائم کریں گے مگر زکاۃ نہیں دیں گے تو حضرت ابوبکر صدیق ر
عنہ نے تلوار کے زور پر زکاۃ کی وصولی کی۔ آپ جانتے تھے کہ اس مالی فریضہ کی ادائ
قسم کا ابہام باقی رہنا اور نتیجتاً اس کی ادائیگی کا رک جانا امت مسلمہ کے لیے دینی اور ما
سے اعتبار سے بہت بڑا المیہ ہوگا۔ لہذا آپ نے ان مانعین زکاۃ کے خلاف اعلان جہاد کیا
حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت نے آپ سے عرض کیا کہ لوگ
شہادتین کا اقرار کرتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں تو ان کے خلاف جہاد کس لیے؟ آپ نے
میں فرمایا:

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ، فان
الزکاۃ حق المال۔ واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہ
لرسول اللہ لقاتلتھم علی منعھا[2]

ترجمہ: اللہ کریم کی قسم! میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جس نے نماز اور زکاۃ میں

---

[1] صحیحین: کتاب الزکاۃ۔

[2] صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ۔

فرق کیا، زکاۃ مالی فریضہ ہے اللہ کریم کی قسم! اگر وہ مجھے ایک رسی بھی دینا بند کریں گے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس کی ادائیگی نہ کرنے پر ان سے قتال کروں گا۔

ان حوالہ جات کی روشنی میں فقہاء اسلام کا اجماعی فتویٰ ہے کہ زکاۃ کا منکر کافر ہے۔ اس میں امام نوویؒ کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔

فمن جحد وجوبها فقد كذب الله وكذب رسوله صلى الله عليه وسلم فحكم بكفره[1]

: جس زکاۃ کے واجب ہونے کا انکار کیا، اس نے اللہ کریم اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا لہٰذا اس کے کفر کا حکم دیا جائے گا۔

کیا انکار قولی اور فعلی دونوں صورتوں میں ہوتا ہے؟ تو اس اُمت مسلمہ کے ان اغنیاء کا حشر ہوگا جنہیں دنیاوی کی محبت نے اتنا مفتون اور فریب خوردہ کر دیا ہے کہ وہ "چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے" پر عمل پیرا ہو کر فقراء و مساکین کے حق دبائے بیٹھے ہیں۔ کیا یہ موجودہ انکار زکاۃ کا فتنہ نہیں ہے؟ مگر اس کیلئے کوئی ابوبکر بھی نہیں ہے۔

ردة ولا ابابكر لها[2]

فتنہ ہے اور اس کے لیے کوئی ابوبکر بھی نہیں ہے۔

افراد زکاۃ

زکاۃ مندرجہ ذیل افراد پر فرض ہے۔

۱۔ مسلمان ہو: زکاۃ مسلمان پر فرض ہے کافر پر نہیں کیونکہ زکاۃ مالی فریضہ ہی نہیں بلکہ

---

[1] المجموع ج ۵، ص ۳۳۴۔

[2] مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب نے اس عنوان سے ایک مستقل مقالہ لکھا ہے۔

اسلام کا ایک رکن بھی ہے اس مطالبہ کا تعلق قبولیت اسلام کے بعد ہے۔ اس پر تمام آئمہ کرام اور علماء اسلام کا اتفاق ہے اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

تؤخذ من اغنیا ئھم فترد علی فقرائھم

ترجمہ: زکاۃ ان (مسلمانوں) کے مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔

مذکورہ حدیث میں ضمیر "ہم" کا تکرار اس حقیقت پر دلیل ہے کہ زکاۃ مسلمانوں سے لی جائے گی اور انہی کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنی تغلب کو جزیہ کے بجائے دوگنا صدقہ دینے کی جو اجازت مرحمت فرمائی تھی دراصل وہ جزیہ ہی تھا جس کا نام بنو تغلب نے اپنے آپ کو احساس کمتری سے بچانے کے لیے ایک نفسیاتی کوشش کے طور پر صدقہ رکھ لیا تھا۔ اس قول کی تائید میں یہ دلائل قابل توجہ ہیں۔

۱- زکاۃ (صدقہ) صرف صاحب نصاب مسلمان پر ہے کافر پر نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کوئی اور جماعت محض اپنی رائے سے اس حکم الہیہ میں تبدیلی نہیں کر سکتی۔

۲- اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنی تغلب پر صدقہ عائد کیا ہوتا تو پھر اس مقدار کو دوگنا کرنے کا انہیں اختیار نہیں تھا کیونکہ نصاب زکاۃ اور مقدار زکاۃ دلیل قطعی (حدیث) سے ثابت ہے اس کی تبدیلی کرنے کا اللہ کریم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو اختیار نہیں۔

۳- یہ صدقہ نہیں بلکہ جزیہ ہی تھا بے شک اس کا نام کچھ رکھ لیا جاتا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روشن دلیل ہے۔

سمّوها ما شئتم [1]

ترجمہ: وہ (نصاریٰ بنی تغلب) جو چاہیں اس (جزیہ) کا نام رکھ لیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ کسی کافر پر زکاۃ فرض نہیں لہٰذا بنو تغلب جو صدقہ (زکاۃ) کی دگنی مقدار دیا کرتے تھے وہ دراصل جزیہ ہی تھا۔

۲ ۔ بالغ اور عاقل ہو: نابالغ بچوں کے اموال پر زکوٰۃ نہیں خواہ ان کے اموال کی مالیت نصاب زکاۃ کے برابر یا زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ نہ وہ نابالغ خود زکاۃ ادا کریں گے نہ ہی ان کے سرپرست ایسا کریں گے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ نے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے [2] اس کی بنا نبی کریم صلی علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

لیس فی مال الیتیم صدقۃ [3]

ترجمہ: یتیم کے مال میں زکاۃ نہیں۔

البتہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کی رائے میں نابالغ اور پاگل کے مال میں بھی زکاۃ ہے اور اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من ولی یتیما فلیتجر لہ ولا یترکہ حتی تاکلھا الصدقۃ [4]

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم کے حوالے سے اپنے دادا محترم

---

[1] ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال قاہرۃ، ۱۳۵۳ھ، ص ۵۴۱۔

[2] مولانا سید امیر علی: نور الدرایہ من عین الہدایہ، دیوبند (ہند)، ج ۱، قسط ۴، ص،

[3] ابوعبید: حوالہ بالا، ص ۴۵۳۔

[4] ترمذی: الجامع، کتاب الزکاۃ۔

(رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی یتیم کا والی بنے تو وہ اس (کے مال سے اس) کے لیے تجارت کرے اور اس کے مال کو یونہی پڑا نہ رہنے دے یہاں تک کہ اُسے زکاۃ ختم کر دے۔

اس کے علاوہ اور بھی چند احادیث اور آثار آئمہ ثلاثہؒ کی رائے کے حق میں نقل کیے گئے ہیں مگر ان کی اس رائے کا مدار مذکورہ بالا حدیث ہے جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ اور انہی امام ترمذی کی رائے میں یہ حدیث ضعیف ہے[1] اور یہ خیال امام احمدؒ کا ہے[2]۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کی رائے میں مذکورہ حدیث کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس میں صدقہ سے مراد نفقہ ہے کیونکہ حدیث میں نفقہ کے لیے صدقہ کا لفظ بھی آتا ہے۔ ویسے بھی زکاۃ تمام مال کو کیونکہ کھا سکتی ہے جبکہ یتیم کے اپنے اخراجات اُسے کم کر سکتے ہیں[3] احناف کی عقلی دلیل یہ ہے کہ زکاۃ عبادت ہے اور عبادات کی ادائیگی کا مطالبہ صرف عاقل اور بالغ سے کیا جاتا ہے بے وقوف اور نابالغ سے نہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

رفع القلم عن ثلاثة: عن الصبي حتى يبلغ، وعن النائم حتى يستيقظ وعن المجنون حتى يفيق[4]

ترجمہ: تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے (ان سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں): پہلا بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، اور (دوسرا) سویا ہوا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے، اور (تیسرا) دیوانہ یہاں تک کہ اُسے افاقہ ہو جائے۔

---

[1] ترمذی: جامع: کتاب الزکاۃ، حدیث مذکورہ۔

[2] بحوالہ مولانا سید امیر علی: حوالہ بالا، ص ۷۔

[3] حوالہ بالا: ص ۷۔

[4] ابو داؤد: السنن، کتاب الحدود۔ النسائی: السنن، کتاب الحدود۔

البتہ احناف کی رائے میں بچے اور دیوانہ کی زمینی پیداوار سے عشر لیا جائے گا کیونکہ عشر زمین کی مؤنت ہے جیسے خراج زمین کی مؤنث ہے اور عشر کا عبادت ہونا مؤنت زمین کے تابع ہے [1]

مگر صرف اس مجنون یا پاگل کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جس کا جنون سال بھر رہے۔ اگر سال کے درمیان اُسے کچھ افاقہ ہوگیا اور وہ نیک و بد اور نفع و نقصان کی تمیز کرنے لگا تو اُس کے مال سے زکوٰۃ لی جائے گی [2]

۳۔ آزاد ہو: زکاۃ صرف آزاد مسلمان کے مال سے لی جائے گی غلام یا مکاتب کے مال سے نہیں کیونکہ غلام اور مکاتب رجب تک وہ اپنی مقررہ قیمت آزادی اپنے آقا کو دے نہ چکا ہو) اور ان کا مال و کمائی سب ان کے آقاؤں کی ملکیت ہوتا ہے۔ یہ تمام فقہاء کا اجماعی فیصلہ ہے۔

۴۔ مقروض نہ ہو: ایسے مقروض پر زکاۃ نہیں جس کا قرضہ اس کے مال پر محیط ہو یعنی اگر وہ قرض ادا کرے تو اس کے پاس بقدر نصاب مال نہ بچے یا کم بچے۔ یہی رائے سلف اور خلف کی ایک بڑی جماعت کی ہے، امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور اس رائے کی بنیاد اس دلیل پر ہے کہ ایسے مقروض کا حال گویا اس کی حاجات اصلیہ پورے کرنے کے لیے ہے اور قرضہ کی ادائیگی تو ایسا فریضہ ہے جس میں کوتاہی دنیا و آخرت دونوں میں باعث ذلت و رسوائی ہے اور ایسی حاجت ہے جس کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے [3]

---

[1] مرغینانی: الہدایہ، ج ۱ کتاب الزکاۃ۔

[2] بحوالہ مولانا سید امیر علی، حوالہ مذکورہ، ص ۸۔

[3] مرغینانی، حوالہ بالا۔

اموال زکاۃ

مال زکاۃ کی چند خصوصیات صرف وہی مال قابل زکاۃ ہے جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہوں۔

۱۔ وہ مال کسی مسلمان کی مکمل ملکیت ہو۔ کیونکہ جس مال کا کوئی مسلمان مالک نہ ہو اس پر زکاۃ نہیں[1]

۲۔ مال بقدر نصاب ہو۔ نصاب سے کم مال پر زکاۃ نہیں۔ نصاب کی تفصیل آئندہ آئے گی

۳۔ مال ضروریات اصلیہ (Basic Needs) سے زائد ہو۔ لہٰذا ایسی اشیاء جو بنیادی ضروریاتِ زندگی سے متعلق ہوں، ان پر کوئی زکاۃ نہیں۔ فقہاء کرام نے مندرجہ ذیل اشیاء ضرورت کو زکاۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

۱۔ ذاتی رہائش کا مکان۔
۲۔ پہننے کے پارچات۔
۳۔ گھریلو استعمال کے برتن۔
۴۔ سواری کے جانور اور دیگر سواریاں۔
۵۔ اسلحہ برائے استعمال۔
۶۔ خوردنی اشیاء اپنے اور اہل خانہ کے لیے۔
۷۔ تزئین و آرائش کی اشیاء بشرطیکہ سونا اور چاندی کی تیار کردہ نہ ہوں۔
۸۔ مطالعہ کی کتب۔
۹۔ استعمال کے اوزار۔

---

[1] ابن عابدین: رد المختار علی الدر المختار، ج ۲، کتاب الزکاۃ۔

۴۔ مال میں نمو (بڑھنے) کی صفت پائی جاتی ہو۔ نمو کی یہ خوبی سوائم (جنگل میں چرنے والے حیوانات)، سونا اور چاندی (نقود) کھیتوں اور باغات کی پیداوار میں، معادن اور دفینوں اور اموال تجارت میں پائی جاتی ہے۔

۵۔ مال قرض سے پاک ہو یعنی اس پر ایسا قرض نہ ہو جو مقدار مال یا کل قیمت مال سے بھی زائد ہو یا برابر ہو۔ اگر کسی کے ذمہ مالدار کا قرض ہو اور قرض کے وصول ہونے کے تمام امکانات (مثلاً تحریر گواہان وغیرہ) موجود ہوں اور بذریعہ عدالت بھی اس کی وصولی ممکن ہو تو جب وصول ہو جائے اس سے پہلے تمام سالوں کی زکاۃ ادا کرنا ہوگی۔

۶۔ مال پر مسلمان کے قبضہ میں رہتے ہوئے پورا سال (۱۲ ماہ) گذر جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لا زکاۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول [1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی پر زکاۃ فرض نہیں جب تک اس پر پورا سال نہ گزر جائے
اس قانون کو آسان انداز میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ زکاۃ کے کسی مسلمان شخص پر فرض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص سال کے دونوں سروں (آغاز اور انجام) پر صاحب نصاب ہو شریعت مطہرہ کے اس حکم کے مصالح تو بے پناہ ہوں گے مگر جو بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ زکاۃ صرف اس مال پر ہے جو نمو کی صفت رکھتا ہو اور اس کی نمو پوری ہونے کے لیے ایک سال کا عرصہ نہایت قرین حکمت اور مصلحت ہے۔

---

[1] اس حدیث کو دار قطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ابو داؤد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھیے مذکورہ کتب حدیث میں۔

دورانِ سال اس مال (مثلاً مال تجارت) سے جو منافع جات حاصل ہوتے رہیں گے وہ اصل مال میں شامل ہوں گے اور سال کے آخر پر ان کی زکاۃ بھی ادا ہوگی گویا یہ تو اصل مال ہی کی فرع ہیں

اموال زکاۃ کی تقسیم

جن اموال میں مذکورہ بالا وہ تمام صفات پائی جائیں جو کسی مال کے قابل زکاۃ ہونے کے لیے ضروری ہیں انہیں "اموال زکاۃ" کہتے ہیں۔ فقہاء اسلام نے ایسے اموال کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اموال باطنہ

۲۔ اموال ظاہرہ

۱۔ اموال باطنہ: وہ اموال جنہیں چھپایا جا سکے مثلاً سونا، چاندی، نقد روپیہ، سامانِ تجارت (معمولی قسم کا)

ایسے اموال کی زکاۃ کے بارے میں فقہاء کی رائے یہ ہے کہ حکومت اسے بالجبر وصول نہیں کر سکتی بلکہ ان کی ادائیگی اصحاب اموال کے ایمان و ضمیر پر ہے [۱]

البتہ اگر ایسے اموال کے مالکین اعلانیہ اپنے ان اموال کی زکاۃ ادا کرنے سے انکار کر دیں تو اسلامی حکومت انہیں ادائیگی زکاۃ پر مجبور کر سکتی ہے۔

۲۔ اموال ظاہرہ: ایسے اموال جنہیں چھپایا نہ جا سکے اور فطری طور پر ظاہر ہی ہوں۔ مثلاً مویشی، کھیتوں اور باغات کی پیداوار۔ تجارتی مال جو اندرون ملک کے مختلف حصوں میں منتقل ہوتا ہو یا بیرون ملک برآمد ہوتا ہو (واللہ اعلم)۔

---

[۱] الماوردیؒ: الاحکام السلطانیہ، مطبعۃ جمہوریہ قاہرۃ، ص ۱۰

باب ۵

اموال زکوٰۃ کی تفاصیل

فصل اوّل

اموال ظاہرہ

۱۔ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ — عُشر

فقہاء اسلام نے زمینی پیداوار کی زکاۃ (عشر) کو بھی زکاۃ ہی کی ایک قسم قرار دیا ہے، فقہا نے اس فریضہ کی بنیاد ان آیات قرآنیہ پر رکھی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ [1]

اے ایمان والو! پاکیزہ اموال میں سے خرچ کیا کرو، جو تم ہاتھ سے کماتے ہو اور جو ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں۔

ابوبکر جصاص کے بقول یہاں "انفقوا سے مراد" زکوٰۃ ادا کرنا "ہے اور یہ حکم زمین کی پیداوار کی زکاۃ کو بھی شامل ہے [2]

امام قرطبیؒ کے مطابق "واتوا حقّه یوم حصاده" سے مراد زمین کی پیداوار کی زکاۃ (عشر) مراد ہے [3]

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲) : ۲۶۷

[2] ابوبکر جصاص : احکام القرآن مطبعہ سلفیہ، قاہرۃ، ۱۳۲۵ھ، ج ۱، ص ۵۴۳

[3] قرطبی، عبداللہ محمد بن احمد انصاری : الجامع لاحکام القرآن، تفسیر آیت مذکورہ

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ [1]

ترجمہ: اور کٹائی کے دن اس (زمین کی پیداوار) کا حق ادا کیا کرو۔

ابو جعفر طبریؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد زمین کی پیداوار کی زکاۃ ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے اس آیت میں "حقہ" سے مراد زمینی پیداوار کا عشر اور نصف عشر مراد ہے [2]

حدیث صحیح میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔

عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ قال فیما سقت السماء والعیون لو کان عشریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر [3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس زمین کی آب پاشی بارش اور چشموں (یا ندیوں) سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا۔ اور جس کی آبیاری پانی کھینچ کر (کنواں ٹیوب ویل وغیرہ سے) کی گئی ہو اس کی پیدوار کا بیسواں حصہ لیا جائے گا۔

حدیث میں بیان کردہ فرق کی بنیاد یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں اگر ضروری محنت اور آب پاشی کے اخراجات کے سوا اور کسی محنت اور خرچ کا دخل نہیں ہے تو اس پر یہ اجتماعی ٹیکس زیادہ شرح یعنی دسواں حصہ لیا جائے گا اور اگر پیداوار پر ضروری محنت اور اخراجات سے زائد کچھ اخراجات اور محنت کرنا پڑے مثلاً کنواں کھود کر یا ٹیوب ویل پر محصول ادا کر کے

---

[1] سورۃ الانعام (۶) : ۱۴۲

[2] ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تفسیر، ج ۱۲، ص ۱۵۸-۱۶۱

[3] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری: صحیح، ج ا، کتاب الزکاۃ

یا نہر کے پانی کا آبیانہ دیا جائے یا کچھ اور اخراجات آئیں تو اس میں سے اجتماعی ٹیکس کی مقدار نصف یعنی دسواں کی بجائے بیسواں حصہ دینا پڑے گا۔[1]

فقہاء اس فرق کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لان المؤنۃ تکثر فیہ وتقل فیما یسقی بالسماء او سیحا۔[2]

ترجمہ: کیونکہ اس میں محنت زیادہ ہوتی ہے بخلاف اس زمین کے جو بارش یا نہر سے سیراب ہوتی ہے۔ (کیونکہ اس میں محنت کم ہوتی ہے)۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلام کے پرانے معاشی نظام میں نہروں کے پانی پر موجودہ نظام کے مطابق ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ لہٰذا عام کتب فقہ کے مطابق نہری زمین کی پیداوار پر بھی دسواں حصہ عشر لیا جاتا تھا اس لیے ابوداؤد کی روایت میں جو (فی السماء العیون والانہار، جو بارش، چشموں اور نہروں سے سیراب ہو اس کا دسواں لیا جائے گا) آیا ہے اس سے وہ نہریں اور ندی نالے مراد ہیں جن کے پانی پر محصول نہیں لیا جاتا۔ لیکن موجودہ دور میں نہری اور چاہی زمینیں ایک ہی حکم میں آتی ہیں۔[3]

عشری زمین فقہاء اسلام نے مندرجہ ذیل قسم کی زمینوں کو عشری زمین قرار دیا ہے۔

۱۔ تمام عرب کی زمین۔

۲۔ وہ ملک جن کے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ہوں۔

۳ وہ زمینیں جو بزور شمشیر فتح ہو کر مجاہدین اسلام اور غانمین کے حصہ میں آئی ہوں۔

---

[1] مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۵۹ء ص ۱۱۷

[2] مرغینانی: ہدایہ، ج ۱، کتاب الزکاۃ الزروع والثمار

[3] حفظ الرحمان: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۱۷

۴۔ بنجر اور غیر آباد زمین جسے کوئی مسلمان عشری[1] پانی سے آباد کرے۔
۵۔ وہ خراجی[2] زمین جس کا پانی منقطع ہو اور اسے عشری پانی سے سیراب کرے۔
۶۔ مسلمان جب اپنے گھر کے باغ کی زمین کو عشری پانی سے سیراب کرے۔

کھیتوں کی پیداوار کا عشر

امام ابو حنیفہؒ کھیتوں کی ہر قسم کی پیداوار کم ہو یا زیادہ پر عشر واجب کرتے ہیں ان کا استدلال قرآنی آیت: ومما اخرجنا لکم من الارض "اور جو ہم نے زمین میں سے تمہارے لیے نکالا اس میں سے (عشر دو) ہے امام ابو یوسفؒ

---

[1] فقہاء اسلام نے آب پاشی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ عشری پانی

۲۔ خراجی پانی

۱۔ عشری پانی: مندرجہ ذیل پانی عشری ہیں۔

۱۔ بارش کا پانی جو عشری زمین میں جمع ہو۔

۲۔ ان کنوؤں اور چشموں کا پانی جو عشری زمین میں ہوں کچھ کنویں ایسے بھی ہیں جو دار الکفر میں فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے بنائے لہٰذا فقہاء کرام کے مطابق ایسے تمام کنوؤں کا پانی عشری ہے۔

۳۔ ان تمام دریاؤں اور سمندروں کا پانی جو کسی کی ملکیت نہ ہوں۔

۲۔ خراجی پانی: ۱۔ ان تمام نہروں کا پانی جو خراجی زمینوں میں ہوں۔

۲۔ ان تمام چشموں کا پانی جو خراجی زمینوں میں ہوں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں نور الدرایہ شرح الہدایہ تالیف مولانا امیر علی، ج اول، قسط ۱۵، مکتبہ نعمانیہ دیو بند ہند، ص ۲۳)

[2] خراجی زمین کی تفصیل "خراج" کی بحث میں آئے گی۔

کے نزدیک صرف اسی پیداوار پر واجب ہے جو دو شرطیں پوری کرتی
(۱) لوگ اس کا ذخیرہ کر سکیں لہٰذا ایسی سبزیات جنہیں ذخیرہ نہ کر سکیں مثلاً تربوز
یرا، لکڑی کدو بیگن، گاجر، ساگ پات اور پھول وغیرہ پر عشر نہیں۔ (۲) پیمانے سے
پ تول سکیں مثلاً تمام قسم کے اناج، دالیں، تل ہر قسم کے بیج، دھنیا، زیرہ، پیاز لسن
ران کی مانند روئی وغیرہ [۱]

یہی رائے امام شافعی اور امام مالک کی ہے [۲]

اگر دیکھا جائے تو اس سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ کی رائے کہ کم و زیادہ پر عشر
احب ہے اسلام کے نظام زکوٰۃ کے فلسفۂ عدل اجتماعی کے قریب تر ہے۔ آپ کی رائے
ل کر کے معاشرہ کے غرباء کی زیادہ سے زیادہ فلاح اور اسلامی ریاست کی مالیاتی
لیسی کو زیادہ کامیابی سے چلایا جا سکتا ہے۔

یہی رائے حضرت عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، حماد، داؤد اور ابراہیم نخعی کی
ہے [۳]

حتیٰ کہ مالکی فقہار کی ایک نمایاں شخصیت ابن العربی حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب
کی تائید کرتے ہوئے شرح ترمذی میں لکھتے ہیں۔

"واقوی المذاهب فی المسألة مذهب ابی حنیفة دلیلا و
احوطها للمساکین، واولاها قیاما بشکر النعمة وعلیه یدل

---

[۱] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۳۰؛ مرغینانی، الهدایہ، ج ۱، کتاب الزکاۃ

[۲] ماوردی: الاحکام السلطانیہ، حوالہ بالا، باب ۱۱، ص ۱۱۴

[۳] مرغینانی، الهدایہ، ج ۱، کتاب الزکوٰۃ

عموم الآیۃ والحدیث [۱]

ترجمہ: عشر کی پیداوار اور نصاب کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا مسلک دلیل کی روشنی میں زیادہ قوی ہے مساکین کے لیے زیادہ محتاط، اللہ کی نعمت کے شکر میں سب سے بہتر ہے اور عام آیات اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہے

اب یہ رئیس مملکت اسلامیہ کی صوابدید پر ہے کہ کن کن پیداواروں پر عشر لگاتا اور کن کن کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے [۲]

نصاب فقہاء احناف میں سے حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام زفرؒ کے نزدیک کھیتوں کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں اور ہر پیداوار قلیل و کثیر پر عشر واجب ہے۔

۲۔ امام ابو یوسفؒ (جن کے ہمنوا حضرت امام شافعیؒ بھی ہیں) کی رائے میں جب عشری زمین کی پیداوار پانچ وسق تک پہنچ جائے تب ہی عشر واجب ہے [۳] اور بخاری شریف کی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے [۴] آج تک

---

[۱] شرح ترمذی، ج ۳، ص ۳۱۵ [۲] یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے حیدرآباد (دکن) ج ۲، ص ... وسق کی مقدار مروجہ اوزان میں کیا ہے؟ اس پر محققین کا بڑا اختلاف ہے پاکستان کے قوانین زکاۃ و عشر کے ماہ... کی رپورٹ کے مطابق ۵ وسق ۹۴۸ کلوگرام ادارہ مطبوعات پاکستان، اسلام آباد ۱۹۸۰، جبکہ یوسف قرضاوی کی تحقیق کیمطابق ۵ وسق ۶۵۲٫۸ تقریباً ۶۵۳ کلوگرام ہے، (فقہ الزکاۃ ... ص ۲... منوں میں ۵ وسق ۲۴/۱ من، ۱۹ من ۳۰ ۲ من یا ۲۶ من کے برابر ہیں (اگر درمیانی راہ اختیار کی جائے) ۲۳ من نصاب اختیار کرنا مناسب ہے (واللہ اعلم) [۳] ماوردیؒ: الاحکام السلطانیہ باب ۱۱، ص ۱۱۴، امام مالک، کتاب الزکوٰۃ [۴] بخاریؒ: کتاب الزکوٰۃ، موطا امامؒ کتاب الزکاۃ۔

تعامل بھی پانچ وسق والی حدیث پر رہا ہے [1]

کھیتوں کی زکاۃ ان کی فصل پکنے اور برداشت کے وقت واجب ہوتی ہے۔

۳۔ مختلف اناج مثلاً گندم، جو، چنا، دھان وغیرہ کو ملا کر ایک نصاب بنایا جا سکتا ہے [2]

سبزیوں پر زکوٰۃ آج کل بعض کاشت کار سبزیات تجارتی مقاصد کے لیے کاشت کرتے ہیں اور اس پر کثیر رقم کماتے ہیں حضرت امام اعظم کی رائے کے مطابق تمام قسم کی سبزیوں سے عشر لیا جائے گا۔

البتہ امام اعظمؒ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ اور دیگر ائمہ سبزیوں کو عشر سے مستثنیٰ کرتے ہیں [3]

حضرت امام اعظمؒ کی رائے کے مخالف ائمہ کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ لیس فی الخضروات صدقۃ (سبزیوں میں صدقہ نہیں) اس حدیث کی اسناد صحیح نہیں [4]

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کرکے فرمایا ہے۔

اسناد هذا الحديث ليس بصحيح فلا يصح فى هذا الباب شىٔ عن النبى صلى الله عليه وسلم [5]

---

[1] یوسف الدینؒ: اسلام کے معاشی نظریے، ج ۲، ص ۶۴۴۔

[2] ابو یوسف: الخراج، ص ۵۲۰

[3] ابو یوسفؒ کتاب الخراج، مطبعۃ السلفیہ قاہرہ ۱۳۸۲ھ، ص ۵۲

[4] الدکتور یوسف قرضاوی فقہ الزکوٰۃ، ج ۱، ص ۳۵۴۔

[5] الترمذیؒ کتاب الزکاۃ باب ما جاء فی زکوٰۃ الخضروات

ترجمہ: اس حدیث کی اسناد صحیح نہیں اور اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ منقول نہیں ہے۔

فقہاء نے اس ضعیف حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تشریح میں یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حاکم اور اس کے مقرر کردہ اہل کار سبزیوں کی زکاۃ نہیں لیں گے۔ البتہ سبزیوں کے مالکین پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ جہاں چاہیں یہ زکوٰۃ ادا کریں [۱]

جس طرح آج کل سبزیات کی پیداوار بہت بڑی آمدنیوں کا ذریعہ بن گئی ہیں ان حالات کی روشنی میں اسلامی ریاست کے لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ریاست ان کے عشر کو مارکیٹ میں فروخت کر کے اس کی قیمت مستحقین میں تقسیم کر سکتی ہے۔ یا ان کی فلاح کے لیے صرف کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

باغات کی پیداوار کا عشر

امام ابوحنیفہؒ تمام قسم کے پھلوں پر ان کی مقدار کم ہو یا زیادہ عشر فرض کرتے ہیں۔ البتہ امام شافعیؒ صرف کھجوروں اور انگوروں میں زکوٰۃ واجب سمجھتے ہیں [۲]

فقہاء نے پھلوں پر عشر واجب ہونے کی دو شرطیں بیان کی ہیں۔

۱- جب پھل پک کر کھانے کے قابل ہو جائے اس سے پہلے اگر توڑ لے تو عشر ساقط ہو جائے گا۔ مگر زکوٰۃ کے ڈر سے توڑنا مکروہ ہے [۳]

۲- پھلوں کی مقدار ۵ وسق (۹۴۸ کلوگرام) ہو۔

پھلوں کا عشر اور نصف عشر اسی طرح دوسری زمینوں کی پیداوار آبی نہری ٹیوب

---

[۱] ابوبکر الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ: بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۵۹

[۲] ماوردیؒ: الاحکام السلطانیہ، باب ۱۱، ص ۱۱۲

[۳] ایضاً۔ ۱۳۳

یل، کنواں وغیرہ سے سیراب کئے جانے والے باغوں کی پیداوار کا ۱/۲۰ اور بارش کے پانی سے سیراب ہونے والے کی پیداوار کا ۱/۱۰ لیا جائے گا۔

اگر کھیتوں کی پیداوار یا پھل عشر کی ادائیگی سے قبل کسی قدرتی آفت یا انسانی عمل (چوری وغیرہ) سے ختم ہو جائے تو عشر ساقط ہو جائے گا۔ مختلف قسم کے اناجوں یا سبزیوں یا پھلوں کو اکٹھا کر کے ایک نصاب نہیں امام ابوحنیفہ تو ہر قلیل و کثیر پر عشر واجب کرتے ہیں البتہ امام ابویوسفؒ کی رائے میں مختلف قسم کے پھلوں کو ملا کر ایک نصاب بنایا جا سکتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ حنفی کا نظام عشر بہت وسیع ہے۔ اور عدل اجتماعی کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے گھر کو باغ بنائے تو اس کے عشر کا حکم اس کے پانی کے ساتھ ہوگا۔

اگر عشر کا پانی دے تو عشر اور اگر خراج کا پانی دے گا تو خراج دے مگر غیر مسلم جیسا بھی پانی دے اس کو خراج ہی دینا ہوگا [۲]

شہد پر عشر اگر شہد عشری زمینوں میں پایا جائے تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ البتہ اگر یہ شہد خراجی زمینوں میں یا پہاڑوں، جنگلوں باغوں وغیرہ میں ملے تو اس میں کچھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ جنگلی پھل کی مانند ہوگا [۳]

امام ابویوسف کے نزدیک شہد کا نصاب یہ ہے کہ قیمتاً ۵ وسق ہو اور حضرت ابوحنیفہؒ تو ہر قلیل و کثیر مقدار پر واجب کرتے ہیں [۴]

---

[۱] ابوعبیدؒ: کتاب الاموال، ص ۴۷۲ - ۴۷۳

[۲] ابویوسفؒ: کتاب الخراج قاہرہ ۱۳۵۲، ص ۵۲

[۳] فتاویٰ عالمگیری: ج ۱، ص ۹۲۷

[۴] ابویوسف کتاب الخراج، ص ۷۰

پیداواری اخراجات پیداواری اخراجات عشر کی ادائیگی سے پہلے منہا کیے جائیں یا نہیں اس سلسلہ میں صحابہؓ وفقہاء کرامؒ دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

پہلا گروہ جس میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت عطاء، طاؤس مکحول شامی اور ایک روایت کے مطابق حضرت احمد بن حنبل کی رائے میں عشر سے پیداواری اخراجات کے لیے جو قرض لیا جائے وہ اور دیگر اخراجات عشر لگاتے وقت پیداوار میں سے منہا کیے جائیں[1]

دوسرا گروہ جن میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور تمام فقہائے احناف سوائے امام سفیان ثوری کے۔ (ایک روایت کے مطابق) امام مالکؒ، شافعیؒ ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ کی رائے میں بھی عشر زمین کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے سوائے آیت قرآنیہ یا حدیث نبویہ کے ساقط نہیں کیا جا سکتا[2]

اس دوسرے گروہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ محنت اور زیادہ اخراجات والی پیداوار پر ۱/۲۰ اور کم محنت اور معمولی اخراجات سے ہونے والی پیداوار پر ۱/۱۰ بطور عشر واجب کر کے پہلے ہی سے اخراجات اور محنت کی رعایت فرما دی ہے اب مزید کمی بیشی کرنا شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے[3] امام ابویوسفؒ لکھتے ہیں۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے، ابوعبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، ص ۵۰۹۔ یحییٰ بن آدم قرشی کتاب الخراج، المکتبۃ العلمیہ لاہور، ۱۳۹۵ھ، ص ۱۸۶-۱۸۷۔ المغنی، ج ۲، ص ۷۲۷

[2] ابن حزم امام المحلی، جلد ۵ ص ۲۵۸

[3] ابن ہمامؒ فتح القدیر، مطبعۃ الامیریہ الکبریٰ، قاہرہ، ۱۳۱۵ھ، ص ۸-۹

ولا تحسب منه اجرة العمال ولا نفقة البقر اذا کان یسقی سیحا [1]

ترجمہ: اور اس پیداوار میں سے نہ تو کارندوں کی اجرت منہا کی جائے گی اور نہ سینچائی کے بیل کے اخراجات جب کہ پانی سے سینچی جائے۔

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق کام کرنے والوں کی اجرت اور بیلوں کا خرچ اور نہر کھودنے کا خرچ اور محافظ کی تنخواہ اور دیگر اخراجات پیداوار منہا نہیں کیے جائیں گے [2] اور جس قدر پیداوار ہوگی اس میں سے عشر یا نصف عشر لیا جائے گا۔

چھوٹ: اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ کریں۔

۱۔ عن سہل بن ابی حثمہؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرصتم فدعوا الثلث، فان لم تدعوا قال قال شعبہ او قال فان لم تجدوا الثلث فالربع [3]

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم فصل کی پیداوار کا اندازہ کرنے لگو تو ⅓ چھوڑ دیا کرو اور ⅓ نہ چھوڑو تو ¼ چھوڑ دیا کرو۔

۲۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث الخراص قال خففوا فی المال العریۃ والواطئۃ [4]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ جب اندازہ کرنے والے کو

---

[1] ابو یوسفؒ: کتاب الخراج، ص ۵۲، ۱۳۸۶ھ

[2] فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ۹۸۲

[3] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۴۵۸

[4] فیض الباری، ج ۲، ص ۴۸، ابو عبید، ص ۴۸۷

بھیجتے تو اسے نصیحت فرماتے کہ مال (باغات) میں عاریت دیا ہوا کھجوروں کا درخت اور راہ گیروں کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ اسے منہا کر لیا کرو۔

۳۔ ان عمر بن الخطاب بعث ابا حثمۃ الانصاری علی خرص اموال المسلمین فقال اذا وجدت القوم فی نخلھم قد خرص فدع لھم ما یاکلون لا تخرصہ علیھم [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضؓ نے حضرت ابو حثمہ رضی اللہ عنہ انصاری کو مسلمانوں کے مالوں کا (بغرض عشر) اندازہ کرنے کے لیے ارسال کیا تو ان سے کہا کہ جب تم کسی قوم کو ان کی کھجوروں میں اس حال میں پاؤ کہ ان کی پیداوار کا اندازہ کر لیا گیا ہے تو جو انہوں نے کھایا ہے اس کا حساب نہ کرو۔

فصل کی پیداوار میں سے جو کچھ کسان کھائے اپنے اہل و عیال یا دوستوں یا ہمسایوں پر خرچ کر دے اس پر کوئی عشر نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو چوری ہو جائے اس پر بھی عشر نہیں۔

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حکومت اپنے عاشر کو یہ ہدایت کر سکتی ہے کہ جب وہ پیداوار کا اندازہ لگانا چاہیں تو کچھ حصہ بطور چھوٹ چھوڑ دیں مگر ان سے اخراجات کے لیے چھوٹ کا قانون بنانے کا جواز نہیں ملتا کیونکہ تمام فقہاء کرام کی تصریحات اخراجات کے لیے چھوٹ دینے کے خلاف ہیں جیسے کہ پیداوار اخراجات کے ذیل میں نقل کیا جا چکا ہے۔

عشر کون ادا کرے

۱۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشر ہر صورت مالک زمین پر ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ

---

[1] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۴۸۶

کا بھی یہی قول ہے بشرطیکہ بیج مالک زمین کے ذمہ ہو اور اگر بیج کاشتکار کے ذمہ ہو تو کاشتکار اور زمیندار دونوں اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر دیں گے[1]

۲۔ مزارعت (بٹائی) میں اگر بیج مالک زمین کا ہے تو عشر اس پر واجب ہوگا۔ اور اگر کاشتکار کے ذمہ بیج ڈالنا ہے تو دونوں پر حصہ رسدی واجب ہوگا[2]

۳۔ مستاجری کی صورت میں فقہاء احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر موجر (زمین مستاجری پر دینے والا) پوری اجرت لے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو عشر موجر کے ذمہ ہے اور اگر موجر انصاف کے ساتھ کم اجرت لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو مستاجر عشر دے گا[3]

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے اسلام کے معاشی نظام میں سرمایہ (زمین) اور محنت میں عادلانہ توازن کا بخوبی خیال رکھا گیا ہے اور اس خاص مسئلہ میں محنت کو سرمایہ کے مقابلہ میں نفع میں سے زیادہ حق دیا گیا ہے۔ نیز ان مسائل میں مال گزاری کے واجب ہونے نہ ہونے میں "بیج" کو اس لیے اہمیت دی گئی ہے کہ زمین کی کاشت کے مسئلے میں جس کے ذمہ بیج ہوتا ہے حق انتفاع بھی اسی کو زیادہ ہوتا ہے[4]

عشر کی شرائط

۱۔ اسلام یعنی مسلمان ہونا۔

۲۔ عقل اور بلوغ اس کی شرائط میں سے نہیں۔

۳۔ حیات بھی شرط نہیں کیونکہ جس پر عشر واجب ہے وہ مرجائے اور

---

[1] ابن نجیم (ابن العابدین) بحرالرائق مطبع دارالکتب العربیہ، قاہرہ، ۱۳۲۴ھ، ج ۵، ص ۱۱۷

[2] ردالمحتار ج ۲، باب العاشر، ص ۸۶

[3] ابن عابدینؒ: ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب العشر۔

[4] مولانا حفظ الرحمان: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۱ء، ص ۲۱۵

پیداوار موجود ہو تو اس سے عشر لیا جائے گا جب کہ دوسرے اموال کی زکوٰۃ کا یہ حال نہیں ہے۔

۴۔ ملکیت زمین بھی عشر واجب ہونے میں شرط نہیں کیونکہ وقف کی زمین میں بھی عشر ہے۔

۵۔ زمین عشری ہو اور پیداوار ایسی ہو جس کی زراعت سے زمین کا فائدہ مقصود ہوتا ہے [1]

فصل کی ہلاکت کی صورت میں

۱۔ اگر مالک پیداوار خود پیداوار کو تلف کر دے تو عشر کا ضامن ہوگا۔ اور وہ اس پر قرض ہوگا [2]

۲۔ اگر کوئی دوسرا پیداوار کو تلف کر دے تو مالک اس سے ضمان لے اور اس میں سے عشر ادا کرے [3]

۳۔ اگر کسی آسمانی آفت یا انسانی عمل (مثلاً چوری یا آگ لگانا وغیرہ) سے ہلاک ہو جائے تو عشر معاف ہوگا [4]

۲۔ مویشیوں پر زکوٰۃ

مسلمان جو مویشی اپنے استعمال کے لیے پالتے ہیں ان پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے اس زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے

---

[1] فتاوٰی عالمگیری، ج ۱، ص ۲۹۵۔

[2] ایضاً، ص ۲۹۷

[3] ایضاً، ص ۲۹۷

[4] ایضاً، ص ۲۹۷

مندرجہ ذیل شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جانور چرنے والے ہوں اور وہ سال کا بیشتر حصہ جنگل میں چرتے ہوں تاکہ محنت مشقت کم اور نفع و نسل کشی زیادہ ہو۔ گھر پر بندھے ہوئے اور مول کا گھاس دانہ وغیرہ کھانے والے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں۔
یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ البتہ امام مالک تمام قسم کے مویشیوں پر زکوٰۃ فرض کرتے ہیں [۱]

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ان جانوروں کو کسی خاص شخص کی ملکیت میں رہتے ہوئے پورا سال گذر جائے تاکہ اس دوران نسل پوری ہو جائے۔ اس کی بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے فرمایا! سال گذرنے سے پہلے مال پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے [۲]

۳۔ وہ جانور کھیتی باڑی میں کام نہ آتے ہوں۔ کیونکہ کھیتی باڑی کی پیداوار پر جو عشر یا نصف عشر لاگو ہوتا ہے۔ اس میں کھیتی باڑی میں کام کرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ بھی شامل ہوتی ہے۔ اور اگر ان پر دوبارہ زکوٰۃ عائد کی جائے تو یہ دوہرا ٹیکس ظلم ہوگا۔ یہ اسلام کے نظام عدل کے خلاف ہے [۳]

۱۔ اونٹوں پر زکوٰۃ

اونٹوں کا نصاب پانچ اونٹ ہے اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں درج ذیل جدول اونٹوں کی مختلف تعداد پر زکوٰۃ ظاہر کرتی ہے۔

---

[۱] ماوردی، الاحکام السلطانیہ قاہرہ، ص ۱۱۱۔

[۲] حوالہ بالا، ص ۱۱۱ - ۱۱۲

[۳] ابوعبید: کتاب الاموال، ۳۸۱، ۳۸۲

اونٹوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱ تا ۴	کوئی زکوٰۃ نہیں
۵ تا ۹	ایک بکری
۱۰ تا ۱۴	دو (۲) بکریاں
۱۵ تا ۱۹	تین (۳) بکریاں
۲۰ تا ۲۴	چار (۴) بکریاں
۲۵ تا ۳۴	ایک بنت مخاض (اونٹنی جو اپنی عمر کے دوسرے سال میں ہو)
۳۵ تا ۴۵	ایک بنت لبون (اونٹنی جو اپنی عمر کے تیسرے سال میں ہو)
۴۶ تا ۶۰	ایک حقہ (اونٹنی جو اپنی عمر کے چوتھے سال میں ہو۔
۶۱ تا ۷۵	ایک جذعہ (اونٹنی جو اپنی عمر کے پانچویں سال میں ہو۔
۷۶ تا ۹۰	دو (۲) بنت لبون
۹۱ تا ۱۲۰	دو (۲) حقہ
۱۲۰ تا ۱۴۴	ہر ۵ اونٹ پر ایک بکری - ۲ حقہ (۱۲۰) اونٹوں پر-
۱۴۵ تا ۱۴۹	دو (۲) حقہ ایک بنت مخاض -
۱۵۰ اونٹوں پر	تین (۳) حقہ
۱۵۰ تا ۱۷۴	۳ حقہ ایک بکری (ہر ۵ دیں اونٹ پر ۱۵۰ اونٹوں کے بعد)
۱۷۵ تا ۱۸۵	تین حقہ ایک بنت لبون
۱۹۴ تا ۲۰۰	چار (۴) حقہ یا اگر صاحب نصاب چاہے تو ۵ بنت لبون بھی دے سکتا ہے۔
ب بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ	بھیڑ اور بکریاں دونوں کو زکوٰۃ کے مسئلہ میں ایک ہی جنس تسلیم کیا گیا ہے۔ لہٰذا دونوں مل کر بھی ایک نصاب

ہن سکتی ہیں۔

۔ ۴۰ چالیس سے کم بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ نہیں اور ۴۰ ہونے پر ایک بکری فرض ہے بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل جدول ملاحظہ فرمائیں۔

بھیڑ بکریوں کی تعداد	زکوٰۃ
۴۰ تا ۱۲۰	ایک (۱) بکری
۱۲۱ تا ۲۰۰	دو (۲) بکریاں
۲۰۱ تا ۳۹۹	تین (۳) بکریاں
۴۰۰ تا ۴۹۹	چار (۴) بکریاں
۵۰۰ تا ۵۹۹	پانچ (۵) بکریاں

اسی طرح اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری زکوٰۃ میں دینا واجب ہے اور کسور (کو نظر انداز کیا جائے گا۔

بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ میں البتہ چھوٹی بکریاں قبول کی جائیں گی۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے مطابق ایک سال کی بکری قبول کی جائے گی [۱]

ج۔ **گھوڑوں پر زکوٰۃ** گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں غلاموں اور گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا تھا [۲]

---

[۱] تفصیل کے لیے فقہ کی مستند کتب کا باب الزکوٰۃ ملاحظہ کریں۔

[۲] ابوعبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، ص ۶۳۴۔ ماوردیؒ: الاحکام السلطانیہ باب ۱۱ ص ۱۱۱

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں گھوڑے صرف جہاد کے لیے تھے۔ یہی صورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں رہی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عراق و شام کے مرغزار فتح کیے گئے جہاں گھوڑے نسل کشی اور محض شکار اور سواری کے لیے پالے جاتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان مفتوحہ علاقوں کے لوگوں نے گھوڑوں کی زکوٰۃ پیش کی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا۔ صحابہؓ کی مشاورت کے بعد آپ نے گھوڑوں پر محصول لگانے کا ارادہ کیا[1]

فقہاء میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ گھوڑوں پر زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ جب کہ جنگل میں چرنے والے ہوں اور ہر گھوڑی میں ایک دینار واجب کرتے ہیں[2]

گھوڑی / گھوڑے کی قیمت کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہؒ لکھتے ہیں "اگر گھوڑے گھوڑیاں جنگل میں چرنے والے (سوائم) ہوں تو ان کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ فی گھوڑا / گھوڑی ایک دینار ادا کرے اور اگر چاہے تو ان کی قیمت کا اندازہ لگا کر دوسو درہم پر پانچ درہم دے اور قیمت کا اندازہ لگانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے[3]

د۔ گائیوں اور بھینسوں کی زکوٰۃ

عرب میں بھینسوں کا رواج تو ۹۲ھ / ۷۱۱ء میں شروع ہوا جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو ہزاروں بھینسیں عراق شام کے لیے روانہ کیں۔ بعد میں فقہاء کرام نے ان کی زکوٰۃ کو گا

[1] ابویوسفؒ: کتاب الخراج، ص ۷۷

[2] مرغینانی؛ ہدایہ، ج ۱، کتاب الزکاۃ

[3] تفصیل کے لیے دیکھیں بلاذریؒ، فتوح البلدان۔ ص ۱۶۸

پر قیاس کیا[1]
گائے اور بھینس کا ابتدائی نصاب تیس (۳۰) ہے۔ ہر تیس گائیوں بھینسوں میں ایک سال کا نر یا مادہ بچھڑا لیا جائے گا اور ہر چالیس (۴۰) میں دو سال کا نر یا مادہ بچھڑا لیا جائے گا[2]

فصل دوم اموالِ باطنہ کی تفصیل

۱۔ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ

سونے اور چاندی پر زکوٰۃ فرض کر کے اسلامی قانون محاصل نے اکتناز دولت کی جڑ کاٹنا چاہی ہے۔ یہ دراصل سرمایہ پر ٹیکس ہے جو ضروریات سے زائد ہو یا جسے سرمایہ داروں نے ارادۃً گردش سے نکال کر خزانہ کر رکھا ہو۔

اسی طرح اسلام سرمایہ داروں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے فاضل سرمایہ (سونا چاندی) کو نکال کر کاروبار میں لائیں اور بے روزگاری کے خاتمہ میں مدد دیں۔ اس طرح اسلام مزدوروں کی کمزور جماعت کو بھی اس قابل بناتا ہے کہ وہ سرمایہ دار سے مناسب اجرتیں اپنے کام کے تناسب سے طلب کر کے ایک باوقار شہری کی زندگی گزاریں۔ کیونکہ اسلام نے سرمایہ دار پر زکوٰۃ لگا کر اسے مجبور کر دیا ہے کہ کاروبار کرے کیونکہ اگر وہ فاضل سرمایہ (سونا چاندی) کو کاروبار سے نکال کر جمع رکھتے ہیں تو زکوٰۃ سے ان سرمایہ داروں کو دولت کے گھٹتے رہنے کے ڈر سے دولت کاروبار میں لگانا پڑے گی۔ غالباً اس حقیقت کی طرف انسانیت کے رمز شناس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ

---

[1] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۳۸۵ - نمبر ۱۰۲۷
[2] ترمذی: کتاب الزکاۃ - ابو یوسف: کتاب الخراج ص ۷۷- ابو عبید کتاب الاموال، ص ۳۷۸

کیا حب آپ نے فرمایا۔

آگاہ ہو جاؤ تم میں سے جو کوئی کسی یتیم کے مال کا ولی بنے اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو اس سے تجارت کرے اور اس دولت کو یونہی نہ ڈالے رکھے ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ ہی اسے ختم کر ڈالے[2]

اسلام سونے چاندی کو پیداوارانہ طور پر نامی تسلیم کرتا ہے۔ لہٰذا اسے گردش میں اور شاغل دیکھنا چاہتا ہے

نصاب:۔ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ کا ۱/۴۰ حصہ ہے۔ سونے کا نصاب ۲۰ مثقال ہے اور چاندی کا ۲۰۰ دراہم یعنی سونے کے ۲۰ مثقال میں ۱/۲ مثقال سونا اور چاندی کے ۲۰۰ دراہم میں ۵ درہم چاندی زکوٰۃ کے لیے ہیں۔

بیس[۲۰] مثقال سونے کے بعد ہر چار[۴] مثقال پر دو قیراط سونا اور دو سو[۲۰۰] درہم چاندی کے بعد ہر چالیس[۴۰] درہم چاندی پر ایک درہم چاندی بطور زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور اگر بیس[۲۰] مثال سونے اور دو سو[۲۰۰] دراہم چاندی پر اضافہ مندرجہ بالا مقادیر سے کم ہوگا تو اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی[2]

مروجہ اوزان کے مطابق سونے کا نصاب ۸۷٫۴۸ گرام ۷ ۱/۲ تولے چاندی کے لیے نصاب ۶۱۲٫۳۲ گرام یا تقریباً ۵۲ ۱/۲ تولے[3]

---

[1] البیہقی: السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۰۷

[2] امام سرخسی: المبسوط، ج ۳، کتاب الزکاۃ ۔غزالی ۔ الوجیز، قاہرہ ۱۳۱۷ھ، ص ۹۲

[3] خلاصہ قانون زکاۃ و عشر، وزارت خزانہ اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۵، ص ۷

اس کے علاوہ بھی سونا اور چاندی کے مختلف محققین نے مختلف نصاب مقرر کیے ہیں۔ چند تحقیقات ملاحظہ ہوں۔

۱ - مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی تحقیق کے مطابق سونے کا نصاب ۵ تولہ ۲ ماشہ اور ۴ رتی ہیں بقیہ حاشیہ پر

چند ضروری مسائل سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں چند نہایت اہم مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نصاب اور زکوٰۃ کے فرض ہونے یا نہ ہونے کا صحیح معیار وزن ہوگا نہ کہ مالیت اور تعداد۔ کیونکہ زکوٰۃ وزن پر ہے نہ کہ مالیت پر اسی طرح اگر زکوٰۃ سونے یا چاندی کی جنس میں ادا کی جائے تو بھی وزن کا خیال رکھا جائے نہ کہ مالیت کا۔ البتہ اگر زکوٰۃ کسی اور جنس مثلاً روپے یا اناج وغیرہ کی شکل میں ادا کی جائے تو پھر پورے نصاب کی مالیت کا اندازہ کیا جائے گا۔

۲۔ اگر چاندی اور سونا کسی اور دھات سے ملے ہوئے ہوں تو اگر وہ دھات نصف سے کم ہوگی تو اس صورت میں چاندی اور سونا خالص شمار ہوگا۔ اگر دھات ملاوٹ شدہ اور سونا دونوں برابر برابر ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ البتہ سکوں کے بارے میں یہ رائے ہے کہ ان میں ملاوٹ سونا یا چاندی کی مقدار نصاب کے مطابق ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

۳۔ اگر سونا اور چاندی آپس میں مرکب ہوں تو اس صورت میں ان سے جو دوسرے

حاشیہ سابقہ جدید اوزان میں ۴٫۰۰۶ گرام ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق چاندی کا نصاب ۳۶ تولہ ۵ ماشہ اور چار رتی ہے جو جدید اوزان کے مطابق ۴۵۲۶۲ گرام۔

۲۔ محمد ضیاء الدین الریس کی تحقیق کیمطابق چاندی کا نصاب ۵۱ تولہ ارتی ہے جدید اوزان میں یہ وزن ۵۹۵ گرام بنتا ہے اور سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہے (الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ۔ قاہرہ ۱۹۵۷ء، ص ۲۹۱) ان کے علاوہ بھی تحقیقات ہو رہی ہیں جو اختلافات ہیں سامنے آئیں گے مگر یہ اختلافات شرعی نصاب یعنی سونا کا نصاب بیس دینار اور چاندی کے نصاب دو سو (۲۰۰) درہم کے بارے میں نہیں ہیں وہ منصوص ہے اور اس پر فقہاء اسلام کا اجماع ہے اختلاف تو صرف دراہم اور دیناروں کے متبادل اوزان کی تعین میں ہے۔

پر غالب ہوگا اسے ہی اصل جنس سمجھ کر اور اس کے نصاب کا اندازہ لگا کر زکاۃ فرض ہوگی۔ اگر سونے اور چاندی کے مرکب کا مالک غالب جنس کا اندازہ خود نہ کر سکے تو وہ ماہرین کی رائے پر عمل کرے۔

۴۔ زکوٰۃ کی فرضیت اور ادائیگی کے لیے سونے اور چاندی کا زیور کی شکل ہونا یا سکوں کی صورت میں ہونا یا کسی صورت میں ڈھالے ہوئے ہونا یا ڈلے کی شکل میں ہونا سب برابر ہیں۔ وہ تجارتی اغراض کے لیے ہوں یا عورتوں کے زیور کے طور پر ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی اپنی تخلیق میں تجارتی مال ہیں اور انہیں پیداوارانہ طور پر مال نامی تسلیم کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان پر زکوٰۃ ادا کریں گے۔

نقود پر زکوٰۃ نقد روپیہ وغیرہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی بشرطیکہ وہ اتنی مقدار میں ہو کہ اس سے چاندی کا نصاب یعنی ۵۲½ تولے یا ۶۱۲،۳۲ گرام خریدا جا سکے۔ اور یہ نقدی سال کے دونوں سروں آغاز اختتام پر پائی جائے یعنی فرض کریں نقدی کی یہ مقدار سال کا شروع رمضان المبارک کی پہلی کو ہو اور اگلے سال شعبان کی آخری تاریخ کو بھی ہو۔ درمیان میں اگر نصاب ختم ہو جائے اور مالی سال کے خاتمے سے پہلے دوبارہ آجائے تو زکوٰۃ دینا ہوگی۔

اس نقدی میں جو اضافے دوران سال جمع ہوتے رہیں گے جنہیں مال مستفاد کہتے ہیں ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مساوات یوں ہوگی۔

نقدی کی زکاۃ = ا رمضان پر بقدر نصاب مقدار - قرض + مال مستفاد۔

مال مستفاد کے بارے میں فقہاء احناف کا مسلک یہی ہے کہ اگر وہ مال اسی جنس کا ہو جس جنس کا [illegible] اب مال یا نقدی سال کے ابتداء میں ہو تو اس پر

پہلے مال کے ساتھ زکوٰۃ دینا ہوگی [1]

نقدی پر زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء نے اپنے دلائل کی بنیاد مندرجہ ذیل نظائر پر رکھی ہے۔

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [2]

اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق کے طور پر دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ [3]

جو کچھ ہم نے تمہیں رزق کے طور پر دیا اس میں سے خرچ کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علی کل مسلم صدقة من ماله من کسبه وعمله۔

ترجمہ: (ہر مسلمان پر اس کی کمائی یا حرفت میں صدقہ واجب ہے۔

۳۔ کمپنیوں کے حصص پر زکوٰۃ کمپنیوں کے حصہ داران اپنے اصل اور منافع دونوں پر زکوٰۃ دیں گے۔ اس کا حساب اس طرح کریں گے کہ ان کے حصے کی رقم کا وہ حصہ جو کمپنی کی عمارت و آلات حرفیہ یا مشینوں پر خرچ کیا گیا وہ اصل میں منہا کر دیا جائے گا مثلاً ایک شخص نے ۲۵۰۰۰ کا حصہ خریدا جس میں سے ۱۰۰۰ روپے عمارت اور آلات کی خریداری پر کمپنی نے لگائے سے ۱۰۰۰ روپے عمارت اور آلات کی خریداری پر کمپنی نے لگائے اور باقی ۲۴۰۰۰ روپے کاروبار میں لگ گئے سال کے بعد ۵۰۰ روپے نفع آیا تو زکوٰۃ ۲۴۵۰۰ پر عائد ہوگی اس کی مساوات یوں بن سکتی ہے

---

[1] الروض النضیر، ج ۲، ص ۴۱۱

[2] البقرہ ۳۰

[3] البقرہ ۲۵۴

زکوٰۃ = اصل عمارت اور آلات کے اخراجات + نفع۔

فصل سوم

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ

چونکہ اس تجارتی ترقی کے دور میں اموال تجارت عام ہیں۔ لہٰذا ان کی زکاۃ قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

فقہاء اسلام نے اپنی کتب فقہ میں اموال تجارت کے لیے "عروض التجارۃ" کا نام استعمال کیا ہے اس سے ان کی مراد نقود۔ سونا، چاندی اور نقد روپیہ کے سوا تمام وہ سامان ہے جو تجارت کی نیت سے خریدا اور بیچا جائے۔ یہ سامان آلات، مشینیں کپڑوں، اشیا خورد و نوش، زیورات، حیوانات، درختوں، آراضی، گھروں تجارتی حصص تمسکات (Security،) سامان سرمایہ (Capital Goods. پر مشتمل ہے۔

نصاب:۔ اموال تجارت کا وہی ہے جو نقد کا ہے یعنی اگر سال گذرنے کے بعد کسی تاجر کا مجموعی مال اور نقد سرمایہ ملا کر چاندی کے نصاب کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو تو اس سے ۲½ فیصد شرح سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اس پر تمام فقہاء اسلام کا اتفاق ہے۔

اموال تجارت کی زکوٰۃ کا وجوب اموال تجارت کی زکاۃ پر تمام فقہا کا اتفاق ہے اور اس وجوب کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن مجید سے استدلال یہ چند نظائر قابل توجہ ہیں۔

يا ايها الذين امنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنالكم من الارض [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! ان پاکیزہ مالوں میں سے خرچ کرو جو تم محنت کر کے کماتے ہو۔ اور اس میں بھی جو ہم تمہارے لیے، زمین سے نکالتے ہیں۔

طبریؒ نے مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: "من طیبٰت ما کسبتم" سے مراد ہے "جو کچھ تجارت کے ذریعے کماؤ" [2] یہی رائے حسن بصریؒ، ابوبکر جصاصؒ، ابن العربیؒ اور امام رازیؒ کی ہے [3]

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ظاهر الرواية يدل على وجوب الزكاة فى كل مال يكتسبه الانسان فيدخل فيه زكاة التجارة الخ [4]

ترجمہ: اس آیت کا ظاہر مفہوم اس مال پر زکوۃ کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے جو انسان کماتا ہے۔ اس میں اموال تجارت پر زکوۃ بھی شامل ہے۔

۲۔ خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها [5]

ترجمہ: ان کے مالوں سے صدقہ (واجب یعنی زکاۃ) وصول کیا کیجیے اس کے ذریعے انہیں پاکیزہ بنائیے۔

---

[1] سورۃ البقرہ (۲): ۲۶۷

[2] تفسیر طبری، سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۷ کی تفسیر

[3] ابوبکر الجصاصؒ: احکام القرآن، ج ۱، ص ۵۴۳۔ ابن العربیؒ: احکام القرآن، ج ۱، ص ۲۳۵

[4] امام رازی، تفسیر کبیر، ج ۲، تفسیر سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۷

[5] سورۃ التوبہ (۹): ۱۰۳

ابن العربیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

خذ من اموالھم صدقۃ، عام فی کل مال علی اختلاف اصنافہ وتباین اسمائہ، فمن اراد ان یخصہ بشئ فعلیہ الدلیل

ترجمہ: خذ من اموالھم صدقۃ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے۔ کا حکم عام ہے اور مال کی تمام قسموں کو ان کی قسموں اور ناموں کے مختلف ہونے کے باوجود شامل ہے۔ اور جو کوئی مال کی کسی قسم (مثلاً اموال تجارت) کو اس حکم سے نکالنا چاہتا ہے تو اس کو دلیل لانا پڑے گی۔

حدیث سے استدلال

یہ دو نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ عن سمرۃ بن جندبؓ قال۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا ان نخرج مما نعد للبیع [1]

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اس مال میں سے زکاۃ نکالیں جسے ہم تجارتی مال شمار کرتے تھے۔

۲۔ عن ابی ذرؓ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: فی الابل صدقتھا، وفی الغنم صدقتھا وفی البز صدقتہ [2]

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، میں نے جناب رسول

---

[1] الدار قطنی: ص ۲۱۴۔ منصب الرایۃ، ج ۲، ص ۳۷۶

[2] ابن حزم: المحلی، قاہرۃ، ج ۵، ص ۲۳۴-۲۳۵

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اونٹوں میں زکوٰۃ ہے۔ بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ ہے اور کپڑے میں زکوٰۃ ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا ٹکڑا " فی البز صدقتها " (تجارتی مقاصد کے لیے خرید کیے گیے) کپڑے میں زکوٰۃ ہے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی سامان میں سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا۔

آثار صحابہؓ اور تابعینؒ

چند نظائر قابل توجہ ہیں۔

۱۔ عن عبد القاری (من قبیلۃ القارۃ) قال: کنت علی بیت المال زمن عمر بن الخطاب فکان اذا خرج العطاء جمع اموال التجار ثم حسبها: شاھدھا وغائبها، ثم اخذ الزکاۃ من شاھد المال علی الشاھد والغائب [1]

ترجمہ: قبیلہ قارہ کے ایک شخص (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیت المال پر مامور تھا جب وظائف دینے کا وقت آتا تو آپ تاجروں کے اموال اکٹھے کرتے اور ان کے (اموال کے) کھلے چھپے سب کا حساب لگاتے پھر ظاہر اور خفیہ اموال سے زکوٰۃ لیتے۔

۲۔ عن ابی عمرو بن حماس عن ابیہ قال، مرّ بی عمر فقال: یاحماس ادّ زکاۃ مالك فقلت: مالی مال الا جعاب وادم: فقال: قومها قیمۃ ثم اد زکاتها [2]

---

[1] ابن حزم: حوالہ بالا، ج ۶، ص ۳۴

[2] ابن حزم: حوالہ بالا، ج ۵، ص ۲۳۴

ترجمہ: حضرت ابوعمرو بن حماس رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گذرے اور مجھے فرمانے لگے اسے حماس (رضی اللہ عنہ)! اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔ میں نے عرض کیا میرے پاس جعاب (تیروں کے غلافوں) اور کھالوں کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی قیمت لگاؤ اور پھر زکوٰۃ ادا کرو۔

یہ صاحبؓ تیروں کے غلافوں اور کھالوں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔

۳۔ روی ابو عبید عن ابن عمر، لیس فی العروض زکاۃ الا ان تکون لتجارۃ [1]

ترجمہ: حضرت ابو عبیدؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: سامان پر کوئی زکوٰۃ نہیں سوائے اس مال کے جو تجارت کے لیے ہو۔

۴۔ قال عبیدؒ فی اموال التجارۃ: اجمع المسلمون علی ان الزکاۃ فرض واجب فیہا [2]

ترجمہ: حضرت ابو عبید قاسم بن سلامؒ اموال تجارت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان میں زکوٰۃ فریضہ واجبہ ہے۔ تمام ائمہ اور فقہاء امت کا اموال التجارۃ میں زکوٰۃ کے وجوب پر اتفاق ہے۔

اموالِ تجارت پر زکوٰۃ کے مسائل

۱۔ مال تجارت صرف وہی ہوگا جو تجارت کے لیے فروخت کرنے کی نیت سے

[1] البیہقی: السنن الکبریٰ ج ۴۔ ص ۱۴۷
[2] ابو عبید قاسم بن سلامؒ: کتاب الاموال، قاہرہ ۱۳۵۳ھ ۴۲۹

لیا ہو گا۔ البتہ اگر خرید ا تو ذاتی استعمال کے لیے مگر بعد میں تجارت کی غرض سے بیچنے کی نیت کی تو یہ نیت اس وقت تک معتبر نہ ہو گی جب تک اس کے ساتھ عمل نہیں ہو گا یعنی جب وہ فروخت کرنا شروع کرے گا اس وقت یہ مال تجارت بن جائے گا۔ اور اس وقت کے بعد اگر سال بھر یہ مال رہا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو گی [1]

۲۔ مشینیں اور آلات کارخانہ اور زرعی آلات مثلاً بیل، ہل، ٹریکٹر، تھریشر وغیرھا درزی کی مشین اسی طرح دیگر پیشوں والوں کے آلات کار (جنہیں العروض الثابتہ کہتے ہیں) اموال تجارت نہیں ہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ مکانات اور کارخانوں کی عمارت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ البتہ مکانوں کے کرایوں سے حاصل شدہ رقم جس قدر سال بھر کے ختم تک باقی رہے گی اگر وہ چاندی کے نصاب کے بقدر ہے تو اس پر زکاۃ ہو گی ورنہ نہیں یہی مسئلہ برتنوں، شامیانوں سائیکلوں اور فرنیچر وغیرہ کے لیے ہے [2]

گو کارخانوں اور ملوں وغیرہ کی مشینوں اور آلات پر زکوٰۃ نہیں مگر ان سے جو مال تیار ہو گا اس پر زکاۃ ہو گی اسی طرح جو خام مال کارخانہ یا مل میں مصنوعات تیار کرنے کیلئے رکھا ہے اس پر بھی زکاۃ فرض ہو گی۔ تیار اشیاء اور خام مال سب کی قیمت بازاری نرخوں سے لگا کر اس پر $2\frac{1}{2}$ ٪ زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔ شرط یہ ہے کہ ان کی قیمت کا مجموعہ چاندی کے مساوی ہو [3]

---

[1] ابن عابدین: ردالمحتار علی الدرالمختار، ج ۲، ص ۱۸

[2] عبدالرحمان الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج ۱، ص ۵۹۶۔ ابوعبید، کتاب الاموال ص ۵۰۷، ۲۳۔ ۱۱ مرغینانی: الہدایہ، کتاب الزکاۃ، زکاۃ عروض التجارۃ

[3] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج ۱، ص ۵۹۶۔ ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۸

۳۔ کارخانوں، فیکٹریوں اور ملوں کے حصص (Shares) پر سال کے ختم پر زکاۃ ان حصص کی بازاری قیمت کے مجموعہ پر لگائی جائے گی، بشرطیکہ وہ چاندی کے نصاب کے برابر ہو۔ البتہ کمپنیوں، کارخانوں وغیرہ کا فرنیچر، آلات اور مشینیں وغیرہ کی قیمت بھی حصص میں شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت ان کی قیمت حصص (Shares) کی مجموعی قیمت میں سے منہا کر دی جائے گی۔ اگر باقی مجموعہ چاندی کے نصاب کے برابر ہے تو زکاۃ دی جائے گی ورنہ نہیں [1]

۴۔ اگر ایک تاجر کے پاس سونا، چاندی، نقد روپیہ اور مال تجارت ہے مگر ان میں سے کوئی بھی اپنے علیحدہ علیحدہ نصاب زکوٰۃ کے بقدر نہیں ہے تو اس ایماندار تاجر کو چاہیئے کہ وہ ان سب کی بازاری قیمت لگا کر ان کا مجموعہ کرے اگر وہ مجموعہ چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہے تو وہ زکاۃ ادا کرے گا ورنہ نہیں [2]

۵۔ اس فریضہ زکاۃ کی ادائیگی میں تمام تجار برابر ہیں خواہ وہ کارخانہ دار ہوں یا دستی کھڈی والے، چھابڑی ہوں یا سونے کے بیوپاری بڑے شہر کے تجارتی مرکز (Shopping Centre) کے مالک یا پرچون فروش ہوں یا سونے کے ڈیلرز (Dealers) نفع کمانے والے ہوں یا خسارہ اٹھانے والے یہ تمام حضرات سال کے آخر پر اپنے اموال تجارت کا حساب لگا کر اگر اس

---

[1] ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۸، ۱۹

[2] مرغینانی، الہدایہ، کتاب الزکاۃ، زکاۃ عروض التجارۃ۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج ۱ ص ۵۹۶

اس کی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر پائیں گے تو زکوٰۃ ادا کریں گے یہ جمہور فقہاء اسلام امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے ہے[1]

---

[1] ابن رشدؒ: بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، قاہرۃ، ج ۱، ص ۱۶۰-۶۱ - علامہ زروق: شرح الرسالۃ قاہرۃ، ج ۱ ص ۳۲۵ -

باب ۶

بیت المال یا سرکاری خزانہ کے دیگر ذرائع آمدنی

خراج

اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک دوسرا نہایت اہم ذریعہ خراج ہے۔ یہ آمدنی زمینوں سے حاصل ہوتی ہے۔

خراجی زمین

خراجی زمینیں آٹھ ہیں۔

۱- وہ زمینیں جنہیں مجاہدین اسلام نے بزور شمشیر فتح کیا ہو اور پھر یہ زمینیں اس علاقہ کے ذمیوں کو کھیتی باڑی کے لیے بغرض خراج دے دی جائیں مثلاً سواد عراق اور مصر۔

۲- وہ بے کار زمین جسے ذمی نے اسلامی ریاست کے سربراہ کی اجازت سے قابل کاشت بنایا ہو یا اس ذمی نے جہاد اسلامی میں لشکر اسلام کی مدد کی ہو اور امیر یا سربراہ نے زمین کا کوئی ٹکڑا بطور انعام دیا ہو۔

۳- ذمی کے گھر کے باغ کی زمین خواہ اسے عشری پانی سے سیراب کرے۔

۴- اس کافر قوم کی زمین جس نے خراج پر مسلمانوں سے صلح کی ہو۔

۵- جو زمین خراجی پانی سے سیراب ہو

۶۔ جو زمین مسلمان نے ذمی یا کافر سے خریدی ہو۔
۷۔ وہ عشری زمین جو خراجی پانی سے سیراب ہو۔
۔ مسلمان کے گھر کے باغ کی زمین جسے خراجی پانی سے سینچا گیا ہو [۱]
مذکورہ بالا اراضی سے جو محصول یا ٹیکس یا مالگزاری وصول ہوگا وہ خراج کہلائے گا [۲]
ام ابو یوسف کی رائے میں "خراج" دراصل "فئ" ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ اگر معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں اور اپنی اراضی کا خراج مسلمانوں کو دینا شروع کر دیں تو "فئ" ہی شمار ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں۔

فاما الفئ یا امیر المؤمنین فھو الخراج عندنا، خراج الارض واللہ اعلم [۳]

ترجمہ: اے امیر المؤمنین ہمارے نزدیک مال فئ سے مراد زمین کا خراج ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

[خر]اج کے شرعی دلائل

اس صورت میں خراج کا ثبوت بھی قرآن مجید کی نص سے ملتا ہے۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم [۴]

ترجمہ: جو لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں (کفار) سے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور

---

[۱] نور الدرایہ من عین الہدایہ، ج ا، قسط ۱۵، ص ۲۳۔
[۲] ابو یوسف: کتاب الخراج، قاہرۃ، ص ۶۔
[۳] ایضاً ص ۶۔
[۴] سورۃ الحشر (۵۹): ۶

رسول کیلئے اور رسول کی قرابت والوں کے لیے اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کیلئے ہے تاکہ دولت تم میں سے دولت مندوں ہی کے درمیان دائر اور محصور نہ رہے۔

خراج کی دوسری شرعی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ آپ نے خیبر کا علاقہ فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو خراج مقاسمہ پر دیا تھا۔

ثم رفعها رسول الله بارضها ونخلها الی اهلها مقاسمة علی النصف مما یخرج من الثمر والحب وولی علیهم فی ذلك عبدالله بن رواحة [1]

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینیں اور کھجوریں ان کے مالکان کے پاس پھلوں اور غلہ کے نصف خراج پر انہیں دیں اور اس کی وصولی وغیرہ کے لیے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔

تیسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے جنہوں نے سواد عراق اور شام کی زمینیں ان کے اصل مالکان کے پاس خراج پر رہنے دیں [2]

حضرت عمر کے زمانے میں عراق کا خراج دس کروڑ بیس ہزار درہم، شام کا ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار اور مصر کا ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھا [3]

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں اسلام کے دور میں مروج رہی ہیں۔

---

[1] البلاذری ابو الحسن: فتوح البلدان، قاہرہ ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء، ص ۳۴۔

[2] ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۲۵۔

[3] مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ) نفیس اکیڈیمی، کراچی، جلد ۱، ص ۳۹۴۔

ف، خراج بالمساحۃ

فقہی اصطلاح میں خراج بالمساحۃ سے مراد ہے، کھیتوں کی پیمائش کے لحاظ سے خراج مقرر کیا جاتے
[...]ارم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے لے کر عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے تک خراج کی یہی
مروج تھی۔ مہدی نے اسے بدل کر پیداوار کا ایک متعین حصہ یعنی ۱/۲، ۱/۳ خراج مقرر کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے عراق کی
[...]م زمین کی پیمائش کرائی اور خراج بالمساحۃ مقرر کیا۔ انگور کے باغات پر دس درہم جریب، کھجور کے
[...]ات پر آٹھ درہم، گیہوں کے کھیت پر چار درہم اور جو کے کھیت پر دو درہم وغیرہ [1]

ب) خراج مقاسمۃ

فقہی اصطلاح میں خراج مقاسمہ پیداوار کے ایک متعین حصہ یعنی ۱/۲، ۱/۳ طریقہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے
[...]ں، عباسی خلیفہ مہدی نے رائج کیا اور اس کے وزیر (ابو عبید اللہ) نے مختلف قسم کی زمینوں کے لئے
[...]راج مقاسمہ کی مندرجہ ذیل شرطیں مقرر کیں۔

۱۔ چشموں اور بارش سے سیراب ہونے والی زمین کا خراج پیداوار کا ۱/۲
۲۔ ڈول اور رہٹ سے سیراب ہونے والی زمین سے پیداوار کا ۱/۳
۳۔ ضروری محنت اور اجرت سے زائد رہٹ کی مدد سے سیراب ہونے والی زمین سے پیداوار کا ۱/۴

مگر مہدی کی اس شرح کو بہت زیادہ تصور کیا گیا جس کی بدولت عوام میں اضطراب بھی پیدا ہوا
لہٰذا جب خلیفہ ہارون الرشید بر سر اقتدار آئے تو انہوں نے حضرت امام ابو یوسف سے درخواست کی کہ وہ
عادلانہ نظام مالیات وضع کریں تو انہوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الخراج" لکھی اور اس میں انہوں
نے خراج مقاسمہ کی سفارش کی اور سواد مختلف زمینوں پر مندرجہ ذیل مختلف شرحیں تجویز فرمائیں۔

۱۔ چشموں سے سیراب ہونیوالی گیہوں اور جو کی زمین کا محصول پیداوار ۲/۵
۲۔ رہٹ اور کنویں سے سیراب ہونے والی زمینوں کا محصول پیداوار ۱/۵ اور ۱/۱۰
۳۔ انگوروں کی بیلوں، پختہ کھجور اور باغات پر محصول پیداوار کا ۱/۳

---

[1] امام ابو یوسف: کتاب الخراج، قاہرہ ۱۳۵۲ھ، ص ۴۷ [2] محمد ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ، مصر، ص ۳۹۲

۴۔ موسم گرما میں پیدا ہونے والے غلوں پر پیداوار کا ۱/۴

بعض فقہاء نے خراج کو زمین کا محصول نہیں بلکہ زمین کے استعمال کا معاوضہ کہا ہے اور جس طرح مالک مکان کو کرایہ دار کرایہ دیتا ہے اسی طرح کاشتکار سرکار کو زمین کا کرایہ دیتا ہے [۱]

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے مہدی کے وزیر ابو عبید اللہ کے مقابلے میں خراج کو کس طرح منصفانہ بنایا جس کے نتیجہ میں ہارون الرشید کا زمانہ ترقی اور خوشحالی کے لیے یادگار بن گیا۔ علاؤالدین خلجی نے اسے خراج مقاسمہ میں بدل دیا۔

نصاب :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک خراج کا کوئی نصاب نہیں۔ یہ عشر کی طرح قلیل و کثیر مقدار پر ہے [۲]

حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک خراج بالکل عشر کی طرح اسی پیداوار پر ہوگا جس کی مقدار یا قیمت پانچ وسق کے برابر ہو [۳]

عشر اور خراج میں فرق

فقہاء کرام نے عشر اور خراج میں فرق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عشر عشری زمین کی پیداوار پر ہے یعنی جب عشری زمین کی پیداوار ایسی شئے ہو جس سے حقیقت میں فائدہ حاصل ہو یا تقدیراً فائدہ حاصل ہو مثلاً خراجی زمین کا مالک اس کی پیداوار حاصل کرنے پر قادر تھا مگر اس نے جان بوجھ کر ایسا نہ کیا تو خراج واجب ہوگا جبکہ عشر میں پیداوار شرط ہے۔

عشر مسلمان پر ہے جبکہ خراج مسلمان اور کافر دونوں پر عائد ہو سکتا ہے۔

۲۔ جزیہ

اہل کتاب اور کفارین سے جو لوگ مغلوب ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کرلیں اور

[۱] ابو عبید، کتاب الاموال، صفحہ ۷۳

[۲] ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۵۲ [۳] ایضاً، ص ۵۲۔

اہل کتاب اور کفار میں سے جو لوگ مغلوب ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور اسلامی ریاست کے وفادار شہری بن کر رہیں۔ حکومت ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے اس کے صلہ میں وہ ریاست کو ایک معمولی سا ٹیکس سالانہ دیتے رہیں۔ اس ٹیکس کو جزیہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں جزیہ کے بارے میں یہ قانونی دفعہ بیان کی گئی ہے۔

فاقتلوا الذین لا یؤمنون باللہ و لا بالیوم الاخر و لا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ و لا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتٰب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون [1]

ترجمہ: ان لوگوں سے جنگ کرو جو ایمان نہیں لائے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو، جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین حق کو ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب میں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اور تابع ہو کر رہیں۔

افراد جزیہ

جزیہ دینے کی یہ قسم صرف تندرست، کمانے والے، خوشحال، عاقل، بالغ اور آزاد مردوں سے لی جاتی رہی ہے اور جزیہ ان فوجی خدمات کے استثنا کے عوض میں لیا جاتا ہے [2]

مقدار جزیہ

جزیہ کی مقدار کا تعین بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ آپ

---

[1] سورۃ التوبہ (۹) ۲۹۔

[2] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۲۲ تا ۱۲۴۔

نے شروع شروع میں جن ذمیوں کے پاس سونا ہوتا تھا ان پر سالانہ چار دینار اور جن کے پاس چاندی ہوتی تھی اور خوشحال ہوتے تھے ان سے چالیس درہم لیے جاتے تھے مگر بعد میں جب لوگوں کی معاشی حالت اچھی ہوگئی تو آپ نے ذمیوں میں سے امراء پر ۴۸ دراہم متوسط لوگوں پر ۲۴ دراہم اور کمانے والوں پر بارہ دراہم مقرر کیے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیہ کی رقم کی مقدار معاشی حالات کے ساتھ ساتھ گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے۔ گویا یہ ٹیکس متنزاد قسم کا ہے جو ہر شخص پر اس کی مالی حیثیت کے مطابق لگایا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دولت مند متوسط اور غریب تین درجے بنائے تھے اور ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ جزیہ لگایا۔[2] یہ طریقہ کار ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنایا[3]

بنو تغلب کے معاملہ کی نظیر

اگر کفار جزیہ کی ادائیگی کو اپنی کسر شان سمجھتے ہوں تو وہ زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں لیکن محصول زکوٰۃ دگنا کر کے دیں گے۔ یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہے۔ آپ ~~صلی اللہ علیہ وسلم~~ نے بنو تغلب، تنوخ اور بہیرا سے دوگنا صدقہ لینا منظور کر لیا تھا۔ لیکن یہ صرف مردوں کے لیے تھا مگر فقہاء کرام نے حضرت عمر کی ان قبائل کے لیے اس رعائت کو زکوٰۃ کا نام نہیں دیا اور ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس ٹیکس کو زکوٰۃ کا نام دیا جائے تو پھر عورتوں کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اسلام میں زکوٰۃ تو مرد و عورت

---

[1] ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، طبع قاہرہ، ۱۳۵۳ھ، ص ۳۹، ابن عساکر، التاریخ الکبیر، روضۃ الشام، ۱۳۲۹ھ
[2] بلاذری، فتوح البلدان جلد ۱، ص ۱۷۹۔ فتوح البلدان، ص ۱۲۴
[3] ایضاً: ص ۲۷۱

دونوں کے اموال پر ہے [1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رعائتی اقدام کو چند شرائط کا پابند بنایا تھا جن میں سے نمایاں شرط یہ تھی کہ ایسے قبائل اپنی اولاد کو بپتسمہ نہیں دیں گے یعنی پیدائش کے فوراً بعد انہیں عیسائی نہیں بنائیں گے [2]

جزیہ معاوضہ سلامتی

اگر اسلامی ریاست ذمیوں کی حفاظت نہیں کر سکے گی تو ان کا جزیہ واپس کرے گی۔ اسلامی تاریخ میں ایسی بیسیوں مثالیں موجود ہیں [3]

حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح نے شام کے دیہاتی عیسائیوں کو جزیہ کی رقم اس لیے واپس کر دی کہ ان کی فوج کو جنگی مصلحت کے لیے اس علاقہ کو خالی کرنا پڑا۔ لہٰذا اب مسلمان ان کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے [4] اور اگر کوئی ذمی مسلمان ہوتا تو اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا۔

۳۔ فیٔ

اسلامی ریاست کے بیت المال کا ایک قابل اعتماد ذریعہ فیٔ بھی رہا ہے اور ہو بھی سکتا ہے۔ اگر کفار مسلمانوں کے لشکر سے مرعوب ہو کر بغیر جنگ کیے اپنا مال و متاع چھوڑ کر بھاگ جائیں یا جنگ کے بعد ان کی مقبوضہ اراضی مقررہ ٹیکس پر انہیں کے

---

[1] الماوردی، الاحکام السلطانیہ ص ۱۳۸۔

[2] ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۱۲۰، تاریخ طبری ۱۲ھ کے واقعات، ابو یوسف کتاب الخراج ص ۱۸۱

[3] ابو یوسف: کتاب الخراج ص ۱۲۰ - ۱۲۱

[4] امام مالک، المؤطا، کتاب الزکوٰۃ، باب الجزیہ

قبضہ میں رہنے دی جائیں یا ان پر خراج اور جزیہ مقرر کیا جائے، ان سب صورتوں سے ہونے والی آمدنی "مال فیئ" کے ضمن میں آتی ہے۔ یہ رائے حضرت امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کی ہے جیسا کہ ہم "خراج" کے ذیل میں ذکر کر کے آئے ہیں۔

فیئ کا مال بیت المال کا حق ہے اور اسے مجاہدین اور غازیوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ بغیر جنگ کے حاصل کیا جاتا ہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشآء واللہ علی کل شیٔ قدیر[1]

ترجمہ: اور جو (مال) اللہ تعالیٰ نے ان (کفار) سے اپنے رسول کے ساتھ لگوا دیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔

۴۔ خمس

اسلام کے نظام مالیات میں خمس ($\frac{1}{5}$) کا اسم مندرجہ ذیل ذرائع آمدن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ مال غنیمت کا $\frac{1}{5}$

۲۔ دفینوں کے مال کا $\frac{1}{5}$

۳۔ کانوں سے نکلے ہوئے سونے اور چاندی کا $\frac{1}{5}$

فقہاء اسلام کے مطابق مندرجہ بالا تینوں قسم کی آمدنیاں مال غنیمت کے تحت آتی ہیں۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق ہر وہ مال، مال غنیمت ہے جو اچانک ہاتھ لگ جائے یا

---

[1] سورۃ الحشر (۵۹): ۶۔

بغیر محنت کے مل جائے۔ ایسی تمام آمدنیاں یا اموال بیت المال کا حصہ ہیں۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں ان تمام قسم کی آمدنیوں کے لیے خمس ۱/۵ کی قانونی دفعات ملتی ہیں۔

واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسه وللرسول ولذی القربیٰ والیتمٰی والمساکین وابن السبیل [۱]

ترجمہ: اور معلوم رہے کہ تم کو کسی چیز سے بھی جو کچھ مال غنیمت ملے، سو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے واسطے ہے اور رسول کے واسطے اور ان کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے۔

اس طرح بخاری شریف کتاب الزکوٰۃ اور بعض دوسری کتب حدیث کی ایک صحیح روایت کے مطابق رکاز (دفینے) کا بھی خمس ۱/۵ ہے" وفی الرکاز خمس اور رکاز میں سے ۱/۵ حصہ دینا واجب ہے۔

اہل عرب کے ہاں رکاز کا اطلاق لغوی طور پر دفینے کے لیے ہوتا ہے لیکن حضرت امام ابو یوسف نے ایک روایت میں رکاز کی یہ تقسیم بیان فرمائی ہے۔

فقیل له ما الرکاز یا رسول اللہ؟ فقال الذهب والفضة الذی خلقه اللہ فی الارض یوم خلقت [۲]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکاز کیا شئے ہے؟ آپ نے فرمایا وہ سونا اور چاندی جو اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر زمین کے اندر ودیعت کر دیا ہے (یعنی کانیں)

---

[۱] سورۃ الانفال (۸) ۴۱۔

[۲] ابو یوسف، کتاب الخراج، حوالہ بالا، ص ۲۳۔

۵۔ کراء الارض

اسلامی ریاست کا سربراہ جن سرکاری زمینوں کو سالانہ اجرت (لگان) مقرر کے کاشت کے لیے دے دے اور ان سے جو محصول وصول ہو گا، اسلام کے مالیاتی نظام میں اس کا نام کراء الارض ہے۔

یہ ایسی زمینیں ہوتی ہیں جن سے نہ عشر لیا جاتا ہے نہ خراج۔ انہیں مقررہ اجرت پر کاشت کے لیے دیا جاتا ہے یا یہ وہ زمینیں ہوتی ہیں جو لاوارث ہو کر بیت المال کی جانب ہو جاتی ہیں یا لشکر کشی کے بعد وقف للمسلمین بن کر اجیروں کو مقررہ اجرت پر دے دی جائیں۔ اسلامی فقہ کی اصطلاح میں ایسی زمینوں کو "ارض المملکت یا ارض الحوزہ" کہتے ہیں [۱]

"کراء الارض" کا فقہی ثبوت انہی آیات واحادیث سے ملتا ہے جو خراج اور عشر کو شامل ہیں۔ اسلامی مالیاتی نظام میں اس قسم کا دوسرا نام "الاقطاع" بھی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کراء الارض کی آمدنی ۹،۰۰۰،۰۰۰ درہم تھی جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں یہ بڑھ کر ۵۰،۰۰۰،۰۰۰ درہم ہو گئی [۲]

۶۔ عشور

اسلام آزاد تجارت کا حامی ہے۔ وہ اس امر کا داعی ہے کہ ایک ملک کی زائد

---

[۱] ابن عابدین: رد المحتار جلد ۳، باب العشر والخراج والجزیہ ص ۲۵۳ الماوردی: الاحکام السلطانیہ، مصبعۃ الوطن ۱۲۹۸ھ، ص ۱۸۳-۱۸۳۔ المقریزی:

[۲] المخطط والآثار، مطبعۃ النیل، ۱۳۲۴ھ جلد ۱، ص ۱۵۵

پیداوار بلا روک ٹوک دوسرے ملک جا سکے۔ مگر ایران اور روم کی حکومتوں کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی بھی مسلمان تاجر ان کی سرحدوں میں تجارت کے لیے داخل ہوتے تو وہ حکومتیں ان سے مقررہ ٹیکس لیا کرتی تھیں لیکن جب غیر مسلم تاجر اسلامی ریاست میں داخل ہوتے تو ان پر کوئی ٹیکس نہ لیا جاتا۔ گویا اس طرح اسلامی ریاست کے شہریوں کو تجارتی خسارہ تھا اور غیر مسلم اس خسارہ سے محفوظ تھے۔ اس سلسلہ میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا اور جب پورا معاملہ آپ کی سمجھ میں آیا تو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک فرمان بھیجا جس کی کاپیاں تمام گورنروں کو ارسال کر دیں۔

خذ انت منهم كما ياخذون من تجار المسلمين وخذ من اهل الذمة نصف العشر، ومن المسلمين من كل اربعين درهما درهما، وما زاد فبحسابه [1]

ترجمہ: ان سے اتنا ہی وصول کیا جائے جتنا وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ اہل ذمہ سے نصف عشر $\frac{1}{20}$ لیجئے اور مسلمانوں سے ہر چالیس درہم پر ایک درہم وصول کریں اور جتنا اس پر زائد ہو، اس سے اسی حساب سے وصول کیجئے۔

آپ نے اپنے اس فرمان میں نہ صرف غیر مسلموں بلکہ جو مسلمان یا ذمی، دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان تجارتی کاروبار کو جاری رکھتے ہیں، ان پر بھی ٹیکس لگایا ہے۔ البتہ یہ رعایت دی کہ جس تاجر سے سال میں ایک مرتبہ ٹیکس (عشور) وصول کر لیا جائے، وہ اس کے بعد سال میں جتنی بار بھی آئے، اس سے دوبارہ نہ لیا جائے۔ پہلی وصولی کے بعد انہیں سال بھر کے لیے رسید لکھ کر دے دی جاتی تھی [2]

---

[1] امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مطبعہ السلفیہ، قاہرہ ۱۳۵۲ھ، ص ۱۳۵

[2] ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۵۳۴ ۔ امام مالک الموطا باب زکاۃ العروض۔

اس سلسلہ میں ایسے مال کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ دوسو درہم یا بیس مثقال کی قیمت سے کم نہ ہو۔ فقہاء اسلام نے اس درآمدی ٹیکس کے جواز کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ یہ محصول اسلامی ریاست کی اس حفاظت کا معاوضہ ہے جو وہ درآمد کنندگان کو مہیا کرتی ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں "عاشر وہ ہے جس کو امیر نے تاجروں سے صدقات (عشور) وصول کرنے اور انہیں چوروں کی مقاومت سے بچانے کے لیے راستہ پر متعین کیا ہو۔ جب عاشر کے پاس کوئی مسلمان تجارت کا مال لے کر گذرے تو اس سے زکوٰۃ کی شرطوں کے مطابق چالیسواں حصہ لے اور اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کیا جائے گا اور اگر کوئی ذمی اس کے پاس سے گذرے تو اس سے بیسواں حصہ لے اور اس کو جزیہ خراج کا مال سمجھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ مسلمان سے لیا جائے گا وہ زکوٰۃ ہوگی اور ذمیوں حربیوں سے تجارتی معاہدہ کے تحت لیا جائے گا۔ وہ خراج متصور ہوگا۔

مسلمان تاجروں پر عشور کیوں؟

ابتداء میں صرف اجنبی مملکت کے باشندوں (حربیوں) سے عشر لیا جاتا تھا یہ بات ظاہر ہے کہ تاجر اپنے تجارتی مال کا جو محصول ادا کرتا ہے وہ اپنی جیب سے نہیں بلکہ خریدار کی جیب سے ادا کرتا ہے۔ اس طرح جب حربی تاجروں سے محصول وصول کیا جائے اور ذمیوں اور مسلمان تاجروں سے نہ لیا جائے تو لازمی نتیجہ ہے کہ ذمیوں اور مسلمانوں کا مال تو بک جائے گا اور حربیوں کو یا تو ذمی اور مسلمان تاجر جس قیمت پر بیچ رہے ہیں، اسی قیمت پر بیچنا پڑے گا یا ان کا مال نہ بک سکے گا۔ کیونکہ مماثل اشیاء کی کسی بازار میں بھی دو قیمتیں نہیں ہوتیں ایک ہی ہو سکتی ہے چونکہ اس طرح حربی تاجروں کا نقصان ہوتا تھا اس لیے

لہ شمس الائمہ سرخسی: المبسوط، جلد ۲۔ باب العشر، ص ۱۹۹

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمی تاجروں اور مسلم تاجروں پر بھی درآمد کا محصول لگایا خود اپنی ہی رعایا سے محصول درآمد لینے کا رواج قدیم زمانے میں بھی تھا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب زہری سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں سے کیوں محصول درآمد وصول کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان سے جاہلیت میں بھی محصول لیا جاتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو برقرار رکھا[۱]

جلد خراب ہونے والی اشیاء اس ٹیکس سے مستثنیٰ تھی مگر حرام اشیاء مثلاً شراب اور سور وغیرہ بھی اگر اسلامی ریاست میں درآمد ہو تو اس پر بھی محصول درآمدی لیا جاتا تھا۔ یہاں بھی اہل ذمہ سے قیمت کا $\frac{1}{20}$ لیا جاتا تھا اور حربی سے $\frac{1}{10}$ [۲]

یہ درآمدی ٹیکس لچک دار بھی ہے کیونکہ جن اشیاء کی درآمد بڑھانا یا کم کرنا مطلوب ہو ان پر ٹیکس کم یا زیادہ لگا کر اس کی حوصلہ افزائی یا حوصلہ شکنی کی جا سکتی ہے جس طرح حضرت عمر نے گیہوں، تیل کے محصول میں معینہ مقدار میں نصف تک کمی کر دی کہ مدینہ منورہ میں اس کی درآمد بڑھے۔ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر ہیں[۳]

۷۔ وقف

اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک ذریعہ وقف بھی ہے۔ یہ آمدنی ان اشیاء منقولہ یا اسی قسم کی جائداد سے ہوتی ہے جسے ذاتی ملکیت سے نکال کر "فی سبیل اللہ" دے دیا جاتا ہے ایسی جائیداد کو اسلام کے مالیاتی نظام میں "وقف" کہا جاتا ہے۔ مسلمان معیشت

---

[۱] ڈاکٹر یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے دوسری جلد مطبعۃ ابراہیمیہ حیدرآباد ۱۹۵۵ء ص ۶۳۸ تا ۶۳۹

[۲] ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۷۷، ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۵۰ تا ۵۲۔

[۳] امام مالک: موطا کتاب الزکوٰۃ عشور اہل ذمہ، ابو عبید، کتاب الاموال ص ۵۳۳۔

دانوں نے اسے انفاق فی سبیل اللہ کے اخلاقی وسائل میں سے ایک بہترین وسیلہ قرار دیا ہے اسی لیے اسلام کے معاشی نظام نے اس کے اجراء اور توسیع کے لیے بہت زیادہ ترغیب دی ہے اور قرون اولیٰ کے مخلص مسلمانوں نے اپنے علمی مظاہرہ سے اسے مستحکم بنا دیا ہے فقہاء اسلام نے اس کی اصل اس قرآنی آیت کو قرار دیا ہے۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون [1]

ترجمہ: تم ہرگز خیر اور بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک (اللہ کریم کی راہ میں) اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہیں عزیز ترین ہے۔

داعی انقلاب نے اس قانون کی تشریح اس طرح فرمائی ہے۔

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلثة صدقة اوعلم ینتفع به اوولد صالح یدعواله [2]

ترجمہ: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں مگر تین مستثنیٰ ہیں۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم نافع تیسرا نیک اولاد، جو اس مرجانے والے کے لیے دُعا گو رہے۔

صدقہ جاریہ کی جس قدر شکلیں علماء اسلام نے تجویز کی ہیں ان میں سب سے اعلیٰ "وقف" ہے۔ اسلام کے مالیاتی نظام کی تاریخ میں جائیداد غیر منقولہ کے پہلے "واقف" حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ انہوں نے اپنی اراضی خیبر کی جاگیر جو ان کے حصے میں آئی تھی، اسے اللہ کریم کے نام پر وقف کر دیا تھا۔ اس کی آمدنی کو فقراء اقرباء

---

[1] القرآن: آل عمران (۳): ۹۲

[2] بخاری: صحیح، کتاب الوقف؛

غلام کی آزادی، کارہائے خیر، مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اور اس کے ساتھ یہ شرط عائد کر دی کہ اس زمین کی نہ خرید و فروخت کی جائے، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی ورنہ اسے ہبہ کیا جائے۔ اس کا نگران اس سے مناسب طور پر اپنا حق خدمت لے سکتا ہے اور ذخیرہ کیے بغیر اپنے دوست کو بھی مناسب طریقہ پر کھلا سکتا ہے[1]

اس قسم کا وقف کسی کی ذاتی جائیداد یا شخصی ملکیت میں نہیں رہتا بلکہ "رفاہ عام" کا ایک قائم و دائم سرمایہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح جب آیت

تم ہرگز بھلائی کو نہ پاسکو گے جب تک تم اس شئے میں سے نہ خرچ کرو جس کو تم محبوب رکھتے ہو، نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا پیارا باغ بیرحا اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی۔

"اجعلہ فی فقراء قومک" تم اسے اپنی قوم کے فقراء کے لیے وقف کر دو[2]

۸۔ اموال فاضلہ

مندرجہ بالا ذرائع آمدن کے علاوہ بھی متفرق آمدنیاں مختلف ذرائع سے اسلامی ریاست کو ہوں گی جنہیں اصطلاح فقہ میں "اموال فاضلہ" کہا جاتا ہے۔ اموال فاضلہ میں مندرجہ ذیل قسم کی آمدنیاں آسکتی ہیں۔

۱۔ مسلمان یا ذمی لاوارث کا ترکہ۔

۲۔ العیاذ باللہ مسلم مرتد ہو جائے تو اس کی جائیداد۔

---

[1] ابن عابدین: درالمختار ج ۳، کتاب الوقف۔

[2] ابو عبید: کتاب الاموال، طبع القاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۵۶۱۔

۳۔ ذمی باغی کا ترکہ۔

۴۔لگان اجارہ

جب اسلامی ریاست کسی شئے، زمین یا خاص مقام وغیرہ کا اجارہ کسی خاص فرد کو دے دے تو وہ اس کا لگان وصول کرے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنومتعان کے ایک شخص ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلبہ وادی اس لیے خاص کر دی تھی کہ وہ وہاں شہد کی مکھیاں پالتے اور اس کا عشر لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمانوں کے نفع کیلئے پیش کرتے تھے۔ یہ طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک برابر جاری رہا اور حکومت اس وادی کی حفاظت کرتی تھی[1]

۵۔ جنگلات کی آمدنی

اگر اسلامی ریاست جنگلات کی دولت سے مالا مال ہو تو وہ بھی اس کی آمدنی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اسلامی مملکت نے جنگلات کو سرکاری ملک قرار دیا تھا[2]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برس کے صحرا داروں پر چار ہزار درہم مقرر کیا تھا اور انہیں اس کے متعلق چمڑے کے ٹکڑے پر وثیقہ لکھ دیا[3]

۶۔ صید البحر

سمندر اور دریاؤں کی پیداوار کا حاصل) اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک ذریعہ سمندر اور دریاؤں کے پانیوں کا محصول اور ان کی پیداوار کا حاصل ہے۔ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں ایسے محصول کا پتہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ غالباً اس زمانے میں پانیوں پر

---

[1] ابو داؤد، السنن، کتاب الزکاۃ۔

[2] ڈاکٹر یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے، جلد ا، ص ۳۶۱ / ۳۶۲۔

[3] بلاذری: فتوح البلدان، ص ۲۷۔

اسلامی اقتدار کا نہ ہوتا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمندری پیداوار عنبر اور موتیوں وغیرہ پر محصول عائد کیا تھا اور اس محصول کے لیے حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عامل مقرر کیا۔ محصول خمس یعنی کل پیداوار کا $\frac{1}{5}$ حصہ تھا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس محصول کے جواز کا فتویٰ دیا تھا [1]

ہارون الرشید نے امام یوسف کے مشورہ سے محصول کو باقاعدہ بنایا [2]

امام ابوحنیفہ اور امام محمد موتی اور عنبر میں خمس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں سمندر کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں جہاں کسی کا قبضہ نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس عنبر اور موتی پر محصول لگایا تھا جو سمندر اچھال کر ساحل پر ڈال دیتا ہے اور یہ رکاز کی مانند ہے اس میں خمس ہے [3]

تالابوں، جھیلوں اور ساحلوں کی مچھلیوں کی فروخت سے اسلامی ریاست کو آمدنی ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برس کی جھیلوں پر چار ہزار درہم مقرر کیے تھے اور ایک فرمان اس کے متعلق چمڑے پر لکھا تھا [4]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مچھلیوں کی پیداوار پہ زکوٰۃ $\frac{1}{40}$ عائد کی۔ ان کی رائے میں جو چیز سمندر سے نکلے وہ معادن کے مماثل ہے لہٰذا اس پر معدن کی طرح زکوٰۃ فرض ہونی چاہیئے [5]

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج، فصل فیما یخرج من البحر ص ۵۰
[2] ایضاً، ص ۵۰۔
[3] مرغینانی، الہدایہ، کتاب الزکوٰۃ، باب المعادن والرکاز۔
[4] ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۹۰۔
[5] ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۴۷۳ نمبر ۸۸۹۔

یہ رئیس ریاست اسلامی کی صوابدید پر ہے کہ وہ سمندری پیداوار پر زکوٰۃ فرض کرے یا خمس۔

اسی طرح وہ اشیاء جو بیکار سمجھ کر پھینک دی جاتی ہیں، غرق شدہ جہاز وغیرہ کے ٹکڑے ہیں اگر وہ حکومت کے ہاتھ لگیں تو لاوارث مال کی مانند ہیں اور اگر کسی شہری کے ہاتھ لگیں تو حکومت خمس لے سکتی ہے [1]

۹۔ قطائع کی آمدنی

اسلامی ریاست کے پاس کچھ ایسی زمینیں ہو سکتی ہیں (مثلاً دریا سے نکلی ہوئی زمینیں، جنگل کاٹ کر یا صحرا آباد کر کے زمینیں تیار کی جائیں یا مرتدین کی زمینیں یا جن زمینوں کے مالکان کا پتہ نہ چلے) جنہیں حکومت مسلمانوں کو بطور اقطاع عطا کرے اور ان پر عشر یا خراج لاگو کرے۔ یعنی جس نوعیت کی وہ زمینیں ہوں [2]

۱۰۔ ضرائب

اسلامی خزانہ کے مندرجہ بالا ذرائع اگر ریاست کی تمام ضروریات پوری نہ کر سکیں یا ہنگامی حالات رونما ہوں مثلاً جنگ، قحط سالی بے روزگاری وغیرہ تو اسلامی ریاست اغنیاء و اہل ثروت پر ضرائب (ہنگامی ٹیکس) عائد کر سکتی ہے۔

۱۱۔ سرکاری قرضے

موجودہ حکومتیں اپنی مالیاتی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لیے اندرون اور بیرون

---

[1] یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریئے، جلد ۲، ص ۶۵۴

[2] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۵۸

ملک سے قرضے حاصل کرتی ہیں جو تقریباً تمام تر سود کی بنیاد پر ہوتے ہیں لیکن اسلامی معیشت کی بنیاد چونکہ سود کی حرمت پر رکھی گئی ہے لہٰذا ایک اسلامی ریاست کو اپنی مالیاتی پالیسیوں کو کامیاب بنانے کے لیے قرضوں پر بظاہر بہت کم انحصار کرنا پڑے گا۔ البتہ اس قرضہ کے ذرائع مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں۔

۱۔ عوام حب الوطنی کے جذبے کے تحت رضا کارانہ ایسے قرضے پیش کریں گے۔
۲۔ ریاست بلا واسطہ سرمایہ داروں سے قرض کی ایک خاص نسبت جبراً لے سکتی ہے۔
۳۔ بلاواسطہ طور پر ریاست ایسے قرضے سٹیٹ بنک یا مرکزی بنک سے لے گی۔
۴۔ بیرون ملک ایسے قرضے دولت مند اسلامی ممالک سے لے سکتے ہیں۔
۵ حکومت عوام سے شراکتی بنیاد پر کاروبار کے لیے قرض لے کر اپنی مالیاتی پالیسیوں کو مکمل کر سکتی ہے۔ عوام سے قرض کی روایت مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے کے پہلے محترم سربراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ نے عبداللہ ابی ربیعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۴۰ ہزار درہم کی رقم قرض لی [1]

اموی خلیفہ عبدالملک کے عہد میں ان کے خراسان کے گورنر نے جنگی اخراجات کے لیے تاجروں سے بھاری رقم قرض پر لی [2]

حضرت عمر ثانی کے زمانے میں مصر کے گورنر نے ۲۵،۰۰۰ دینار قرض لیے تاکہ پنشن یافتہ لوگوں کو ادائیگی کر سکیں۔ [3]

---

[1] نسائی، السنن کتاب البیوع باب الاستقراض۔

[2] طبری، تاریخ: جلد ۲ ص ۱۰۲۲، لیدن ۱۸۹۳ء

[3] المواعظ والاعتبار مقریزی، جلد ۱، ص ۷۸

ولید بن عبد الملک نے مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعمیر کے لیے ۹۸ھ میں بازنطینی حکمران سے رقم، سامان اور ماہرین کی مدد لی[۱] اس حکمران نے ولید کی فرمائش پر ۰۰۰،۰۰ اشتقال سونا، ایک سو معمار اور ایک سو اونٹ سنگ مرمر سے لدے ہوئے بھیجے[۲]

---

[۱] طبری: تاریخ، لیدن، ١٨٩٣ء، جلد ۲، ص ۱۱۹۴
[۲] ایضاً، ص ۱۱۹۴

باب ۴

اسلامی ریاست کے اخراجات

فصل اوّل

اسلامی ریاست کے مصارف کے اصول

اسلام کے قانون محاصل میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ اسلامی ریاست کے اخراجات کو کچھ اصولوں کا پابند بنایا جائے تاکہ وہ ان کی روشنی میں اپنے اخراجات اس طرح کرے کہ ان کا مقصد یعنی عوام کی فلاح و بہبود زیادہ سے زیادہ ہو اس سلسلہ میں اسلامی مالیات کے ماہرین نے چند اصول مقرر کئے ہیں جن کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

۱۔ **اصول شریعت:-** یوں تو خرچ کے یہاں بیان کیے جانے والے تمام اصول شرعی ہیں لیکن "اصول شریعت" کے اس عنوان کے تحت ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے اخراجات کی مدیں شریعت مطہرہ کی رو سے حلال اور جائز ہوں اور حرام اور خلاف شریعت نہ ہوں۔ قرآن حکیم نے اس اصول کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ [1]

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حلال رکھتے ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں ناپاک چیزیں۔

---

[1] سورۃ الاعراف (۷) : ۱۵۷

اور جن مدات پر اخراجات کی اجازت ہے ان میں بھی اسلام ترجیحات کا اصول بتاتا ہے۔

۲۔ اصول کفایت شعاری: اسلامی ریاست اپنے مختلف قسم کے اخراجات میں کفایت شعاری اور میانہ روی کا اصول اپنائے گی تاکہ بیرونی قرضوں پر انحصار کم از کم ہو سکے اور زیادہ سے زیادہ اپنے ملکی وسائل سے کام لے کر ایک خود دار اور باعزت قوم کی زندگی بسر کر سکے۔ قرآن حکیم نے اس اصول کو اس طرح بیان کیا ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا - إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ [1]

ترجمہ: اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو بے شبہ (اخراجات میں) حد سے زیادہ تجاوز کرنیوالے شیطان کے بھائی (ہم پلہ) ہیں۔

فضول خرچی اور کنجوسی دونوں کے درمیان کی راہ اخراجات میں اختیار کرنے کی قرآن تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا [2]

ترجمہ: اور (ایمان والے) وہ لوگ ہیں جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اختیار کرتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل (۱۷): ۲۶-۲۷

[2] سورۃ الفرقان (۲۵): ۶۷

الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة [1]

ترجمہ: اخراجات میں میانہ روی معاشی خوشحالی کا نصف حصہ ہے۔

من فقه الرجل رفقة فی معیشة [2]

ترجمہ: کسی شخص کی دانائی اور فرزانگی میں یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال) کرے"، یہی اصول قوم کے لیے بھی ہے۔

اصول کفایت شعاری کے تحت اسلام ان تمام اخراجات کو ختم کرتا ہے جو فضول خرچی کے ضمن میں آتے ہیں۔

۳۔ **اصول عدل اجتماعی:**۔ اجتماعی ریاست کے اخراجات کا ایک بہت بڑا اصول "عدل اجتماعی" ہے یعنی حکومت اپنے اخراجات اس طرح کرے کہ عام شہریوں اور بالخصوص غرباء کو زیادہ فائدہ ہو۔ اسلام کے نظام مالیات میں ٹیکسوں کا مقصد ہی ایک فلاحی ریاست کا قیام ہے جس کے تحت امراء کی دولت بذریعہ ٹیکس وصول کر کے غرباء تک پہنچائی جائے تاکہ ملک میں عدل اجتماعی قائم ہو سکے اور اسلامی ریاست کا کوئی شہری بلاتمیز مذہب و نسل محروم المعیشت نہ رہے۔

اصول عدل اجتماعی کے نظائر کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو ارشادات قابل توجہ ہیں۔

۱۔ ان کنت صادقا فالیاتین الراعی نصیبه من هذا المال بالیمن ودمه فی وجهه [3]

---

[1] کنز العمال، عن عمر رضی اللہ عنہ

[2] محمود آلوسی: روح المعانی، جلد ۱۹، صفحہ ۴۲

[3] ابو یوسفؒ: کتاب الخراج صفحہ ۴۶

ترجمہ: (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اگر یہ سچ ہے کہ روپیہ کی مقدار وہ ہے جو تم بتا رہے ہو تو) پھر یمن کے رہنے والے چرواہے تک کا اس مال میں حصہ ہے۔ بایں حالات کہ سفر کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتاتا ہوا ہو۔

اس قول میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ جنہیں حضرت عمرؓ نے ایک علاقے کا خراج وصول کرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ آپ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم یا دینار لے کر آئے۔ حضرت عمرؓ نے اس رقم کو بہت زیادہ خیال کیا اور یہ ارشاد فرمایا۔

۲۔ اما واللہ لئن بقیت لارامل اھل العراق لادعھن لا یفتقرن الی امیر بعدی [۱]

ترجمہ: معلوم رہے کہ بخدا اگر میں زندہ رہ گیا تو اہل عراق کی بیواؤں کو ایسا کر چھوڑوں گا کہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں گی۔

اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہایت اہم ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال پر ان کے غریبوں کی معاشی حالت کی بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے [۲]

ابن حزمؒ حضرت علیؓ کے اس قول کی قانونی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "امیران ارباب دولت کو (غرباء کی) اس معاشی کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے [۳]

---

[۱] ابن حزم: المحلی، ج ۶، ص ۱۵۸

[۲] ابن حزم: المحلی، ج ۶، ص ۱۵۶

[۳] ایضاً: ص ۱۵۸

اس بات پر صحابہؓ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا، ننگا یا ضروریات رہائش سے محروم ہے تو مالدار کے فاضل مال سے اس کی کفایت کرنا فرض ہے [۱]

مولانا حفظ الرحمٰنؒ ابن حزمؒ کے فتویٰ کی تشریح میں لکھتے ہیں "یعنی ان کے فاضل مال سے بالجبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے اور تمام آئمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے [۲]

ہم مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے قول کو ٹیکس سے تعبیر کر سکتے ہیں تاکہ اصول عدل اجتماعی کے تقاضے پورے ہو سکیں۔

۴۔ اصول سادگی: اسلامی ریاست کے اخراجات کا ایک زرّیں اصول تمام شعبوں میں سادگی اپنانا ہے۔ یہ اصول اصول کفایت شعاری کا ہی حصہ ہے اس اصول پر عمل کر کے ہماری حکومتیں اپنے کروڑوں روپوں کے اخراجات بچا سکتی ہیں تکلفات پر روزانہ لاکھوں روپوں کا اڑانا ہماری غریب حکومتوں کا معمول بن چکا ہے۔ اور قرضوں کا اکثر حصہ ایسے ہی فضول اخراجات پر اٹھ جاتا ہے جب کہ قوم بیرونی قرضے کے نیچے کراہتی ہی رہتی ہے۔

اسلام سادگی کا مبلغ ہے اور اس کا مالیاتی نظام اخراجات میں سادگی پر زور دیتا ہے۔ قرآن عزیز میں اس اصول کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

و ما انا من المتکلفین [۳]

(اور میں اپنے آپ کو بنانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ہماری حکومتوں کے ہزاروں روپے کے اخراجات لاکھوں روپوں میں محض

---

[۱] ابن حزمؒ المحلی جلد ۶ صفحہ ۱۵۶

[۲] حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی، ۱۹۵۹ء، ص ۲۵

[۳] سورۃ ص (۳۸): ۸۶

تکلفات کے شوق میں بدل جاتے ہیں قرآن عزیز نے سادگی کو چھوڑ کر تکلفات اور عیش و عشرت میں پڑنے والوں کو معاشی ہلاکت اور بربادی کی اطلاع دی ہے۔ یہ ایسی حرکت ہے جو معاشرت اور تمدن کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِيْنَ [1]

ترجمہ: (اور ہم نے) کتنی ہی ایسی بستیاں (تباہ کریں) جو اپنی معیشت میں مغرور اور متکبر ہوگئیں۔ اب یہ ہیں ان کے مکانات کہ ان کی ہلاکت کے بعد بہت کم آباد ہو سکے ہیں اور دراصل حقیقی مالک اور وارث تو ہم ہی ہیں۔

افسوس آج لاکھوں روپوں کا بجٹ محض دفاتر کی جلوہ آرائیوں، سر بفلک عمارات کی تعمیر، نیلی پیلی کاروں کی خرید داری اور رنگا رنگ تقاریب کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور ان کے اخراجات اس غریب کسان پر ٹیکس لگا کر پورے کئے جاتے ہیں جس کا بچہ اس سے تعجب سے پوچھتا ہے کہ "ابو! صدر صاحب تو روزانہ گڑ سے روٹی کھاتے ہوں گے،" حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس حکم میں ایک عام فرد اور امیر وقت کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایاك والتنعم فان عباد الله لیسوا بالمتنعمین [2]

ترجمہ عیش کوشی سے اجتناب کرو۔ دیکھو اللہ کے بندے کبھی عیش کوشی پسند نہیں ہوتے۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی اپنی زندگی تو سادگی کا نمونہ تھی ہی۔ وہ دراصل عوام کے خادم

---

[1] سورۃ القصص (۲۸) : ۵۸

[2] مشکوٰۃ المصابیح، باب فضل الفقراء

تھے۔ عوام کے سردار نہیں تھے۔ وہ اپنے عمال کو بھی سادگی کی تلقین کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار آذربائیجان کے گورنر کے خط میں لکھا۔

یاعتبۃ بن فرقد ایاکم والتنعم[۱]

ترجمہ: اے عتبہ بن فرقدؓ تم تمام (یعنی تو اور تیرے افسران) عیش کوشی سے اجتناب کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمال میں سادگی پیدا کرنے کو قانونی شکل دے رکھی تھی اور جب کبھی کسی شخص کو گورنر مقرر فرماتے تو کبار صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اس سے عہد لیتے کہ اگر (ترکی) گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑے نہیں پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازہ پر دربان نہیں رکھے گا۔ اور اہل حاجت کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھے گا[۲]

موجودہ دور میں ترکی گھوڑے کی جگہ مرسڈیز کار ہی کی شرط لگا دیں۔ سادہ لباس کی پابندی کرائیں۔ اور رشوت خوری کی بجائے اپنی حلال کی تنخواہ میں رہنے کی شرط کی پابندی کرائیں اگر ایک سرکاری افسر سادگی کی بجائے تکلف (جو بہرصورت اسراف کے بغیر نہیں ہوسکتا) اختیار کرتا ہے تو فقہاء اسلام تو اسے سفیہ (بے وقوف) کہیں گے کیونکہ ان کے نزدیک ایک بیوقوف کی تعریف میں فضول خرچ بھی شامل ہے۔

سفیہ کو اخراجات میں تبذیر و اسراف کی عادت ہوتی ہے وہ ایسے تصرفات کرتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا[۳]

اور ایسی فضولیات کے لیے تو غریب پر ٹیکس لگانا اور ان کا ادا کرنا بھی محل نظر ہے۔

---

[۱] ابن جوزیؒ: سیرۃ عمر بن خطاب مطبع دار السعادۃ قاہرہ ص ۱۳۰

[۲] ابویوسفؒ کتاب الخراج: ص ۶۶

[۳] سید جلال الدین خوارزمیؒ: کفایہ شرح ہدایہ، کتاب الحجر باب الحجر للفساد۔

قرآن عزیز نے فرمایا۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا [1]

ترجمہ اور اپنے اموال جنہیں اللہ نے تمہاری گزران کا ذریعہ بنایا ہے وہ بیوقوفوں کو نہ دو۔

گو یہ آیت یتامیٰ کے والیوں کو سمجھانے کے لیے آئی ہے۔ مگر اس کا یتامیٰ پر حصر نہیں۔ واللہ اعلم۔

الغرض موجودہ حکومتیں اگر تکلفات اور بے جا اخراجات کو چھوڑ کر سادگی کی راہ اختیار کریں تو یہ بات عوام کی بہتری اور فلاح میں ہوگی اور ایسی حکومتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ہاں سرخرو ہوں گی۔

۵۔ اصول امانت و دیانت:- اسلامی ریاست کے اخراجات کا اہم ترین اصول امانت و دیانت ہے جس کی رو سے سرکاری خزانہ صدر یا خلیفہ کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ وہ اس کا امین (Trustee) ہے اور وہ شرعاً اور عرفاً اس قانون کا پابند ہے کہ وہ قوم کی اس امانت کو قوم کی فلاح و بہبود کے لیے امانت سمجھ کر خرچ کرے۔ اسے اس حقیقت کا خطرہ ہر وقت رہنا چاہیئے کہ وہ اس امانت کے بارے میں قوم اور اللہ دونوں کے سامنے جواب دہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا [2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جس شئے کے تم امین بنائے گئے ہو اس کو مالک شئے کے پاس امانت کے ساتھ واپس کر دو۔

---

[1] سورۃ النساء (۴): ۵

[2] سورۃ النساء (۴): ۵۸

اور اگر امیر قوم کے مال کو امانت سمجھ کر اور اس کے تقاضے پورے کر کے خرچ نہیں کرے گا تو وہ خائن ہو گا۔ اور قوم اور ملک کا دشمن ہو گا اور خدا کے حضور جواب دہ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَائِنِیْنَ [۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اور اگر وہ اس مال کو امانت سمجھ کر استعمال کرے گا تو ملک ترقی کرے گا۔ قوم خوشحال ہو گی اور وہ اللہ کے حضور سرخرو ہو گا اور قوم بھی اس سے خوش ہو گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک مختصر سے ارشاد میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الامانۃ غنی [۲]

ترجمہ (امانت ایک قسم کی مالی رفاہیت ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مال غنیمت (جو دراصل بیت المال کا ہی مال تھا) کی منصفانہ تقسیم کے باوجود جب اس شخص کو طبعاً کچھ غلط فہمی پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت میں جو آیت نازل فرمائی وہ تمام حکمرانوں کے لیے سرکاری اموال اور ان کی تقسیم اور اخراجات کے بارے میں ایک سنہری اصول کا درجہ رکھتی ہے۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ وَ مَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ [۳]

ترجمہ: نبیؐ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کچھ چھپائے (یعنی خیانت کرے)، اور جو کوئی بھی غلول (خیانت) کرے گا وہ قیامت کو اسے لے کر آئے گا۔

---

[۱] سورۃ الانفال (۸): ۵۸

[۲] ابن اثیرؒ: نہایۃ جلد ۱، باب الامانت

[۳] سورۃ آل عمران (۳) ۱۶۱

اس آیت سے ایک اور بھی اشارہ ملتا ہے کہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا اف
خیانت کرے تو وہ بھی مواخذہ سے نہیں بچ سکتا۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی
کے لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ سے بڑا نہیں ہو سکتا۔

خلفاء راشدینؓ اور بعد کے خلفاء میں سے کئی ایک کا طرزِ عمل اس بات کی
کہ وہ سرکاری خزانہ کو قوم کی امانت تصور کرتے تھے جو قوم نے ان کے سپرد کی تھی او
اپنا ذاتی خزانہ تصور نہیں کرتے تھے۔ نمونے ملاحظہ ہوں۔

عن عائشة قالت لما استخلف ابو بکر قال: لقد علم قومی ان
لم تکن تعجز عن مؤنة اهلی وشغلت بامر المسلمین ف
آل ابی بکر عن هذا المال واحترف المسلمین له[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بنائے گئے تو انہوں نے خطبہ میں کہا کہ بات میری قوم بخوبی جانتی ہے کہ
میرے اہل و عیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے مگر اب میں مسلمانوں کے
(خلافت) میں مشغول کر دیا گیا ہوں۔ لہٰذا اب ابو بکرؓ کے اہل و عیال کو
ولاہوت بیت المال سے ملے گی۔ اور ابو بکرؓ مسلمانوں کی خدمت
دے گا۔

جمع عمر المسلمین لاول عهده وقال ما یحل للوالی من
هذا المال فقالوا جمیعا اما الخاصة فقوته وقوت عیاله وک
ولا شطط وکسوته وکسوتهم للشتاء والصیف ودابتان ا

---

[1] ابو عبیدؒ: کتاب الاموال، ص ۲۶۶

جہادہ وحوائجہ وصلوٰتہ وحجہ وعمرتہ والقسم بالسویۃ
قال عمر انما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت
ان افتقرت اکلت بالمعروف [۱]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا! خلیفہ کے لیے اس (بیت المال) سے کس قدر لینا حلال ہے سب نے باتفاق کہا" اسے اپنی ضروریات اور اپنے عیال کی ضرورت کے لیے صرف قوت لایموت لینا چاہیئے جس میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے۔ اور اپنے لیے اور عیال کے لیے سردی اور گرمی کے کپڑے اور جہاد، روزانہ کی ضروریات، نماز حج اور عمرہ کے لیے دو سواری کے جانور اور مال غنیمت وغیرہ میں سب مسلمانوں کے برابر حصہ ہے اور بس۔ حضرت عمر نے فرمایا! مجھ کو تمہارے مال (بیت المال) میں اتنا ہی حق ہے جتنا کہ یتیم کے ولی کو حق یتیم کے مال میں۔ اگر میں خوشحال ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو دستور کے مطابق کھانے کے لیے لوں گا۔

اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی رائے ہے۔

ان المال کان بیدہ بمنزلۃ الودیعۃ لجماعۃ المسلمین [۲]

ترجمہ مال اس کے ہاتھ میں مسلمانوں کی جماعت کے لیے بمنزلہ امانت کے ہوتا ہے۔

ایک بار آپ نے اپنی کاروباری ضروریات کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض سے کچھ قرض طلب کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ بیت المال سے لے لیں۔ کیونکہ مسلمان اپنی ضروریات کے لیے بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا" نہیں

---

[۱] الاسلام والحضارۃ العربیۃ ۱۲۸

[۲] کتاب المنتقی شرح موطا، ج ۵، کتاب القراض، ص ۱۵۰

کیونکہ اگر میں بیت المال کا قرضہ ادا کیے بغیر مرا تو تم اسے معاف کرنے کا مشورہ دو گے۔ اس طرح بیت المال کا قرضہ میرے ذمہ رہ جائے گا لیکن اگر تمہارا قرض ہو تو تم میری وراثت سے اس کے لینے کا ضرور انتظام کر لو گے [۱]

ایک بار طبیب نے شہد کے استعمال کا مشورہ دیا تو تمام اہل مدینہ کو اکٹھا کر کے اجازت لی [۲]

ایک مرتبہ بحرین کے عامل نے مشک بھیجا آپ نے اسے مسلمانوں میں تول کر تقسیم کرنا چاہتے تھے اور کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھے جو یہ نیک کام انجام دے۔ آپ کی بیوی حضرت عاتکہؓ تین بار اپنے آپ کو اس کارِ خیر کے لیے پیش کرتی ہیں مگر جواب میں فرماتے ہیں میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ جس پلڑے میں مشک تولا جائے تو اس میں ہاتھ رکھ کر اپنے بدن پر پھیرے [۳]

حضرت عمر ثانیؒ کے سامنے بیت المال کا مشک تولا جا رہا تھا تو انہوں نے اپنی ناک بند کر لی کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا مشک کا تو نفع خوشبو ہی سونگھنا ہے [۴]

الغرض یہ ہے چند اسلامی اصولوں کا مختصر تعارف جن کی مدد سے کوئی حکومت بھی اپنے اخراجات کو باقاعدہ اور رفاہی بنا سکتی ہے۔

---

[۱] محمد ابن سعدؒ: الطبقات الکبریٰ، لیدن جلد ۳ ص ۱۹۹۰۔

[۲] ایضاً: ص ۱۹۸

[۳] حوالہ بالا، ص ۱۹۸

[۴] ایضاً: ص ۱۹۸

فصل دوم

اسلامی حکومت کے اخراجات کی تفصیل

قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء اسلام کے تعامل اور فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں ایک اسلامی ریاست کی آمدنی کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے گویا کہ اسلامی ریاست کے سرکاری خزانے کے چار شعبے ہوں گے۔

پہلا شعبہ: ۔ غنائم، کنز اور رکاز کے خمس اور صدقات کی آمدنیوں پر مشتمل ہے۔

دوسرا شعبہ: ۔ زکوٰۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول شدہ تجارتی محصول (عشور) سے تعلق رکھتا ہے۔

تیسرا شعبہ: ۔ خراج، جزیہ غیر مسلم تجار سے وصول شدہ عشور، کراء الارض، غیر مسلموں سے تحائف اور ضرائب ونوائب (ہنگامی ٹیکس) پر مشتمل ہے۔

چوتھا شعبہ: ۔ اموال فاضلہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ہم ان چار شعبوں کے مصارف کا اجمالی تعارف کراتے ہیں۔

۱۔ پہلے اور دوسرے شعبے کے مصارف تو قرآن مجید میں متعین ہیں جنہیں "مصارف ثمانیہ" کہا جاتا ہے یعنی فقراء، مساکین، عاملین زکوٰۃ مؤلفۃ القلوب غلاموں کو آزادی دلانے پر، غارمین، فی سبیل اللہ اور ابن السبیل۔

۲۔ تیسرے شعبے کے مصارف ہر قسم کے وظائف اور شعبہ ہائے حکومت کے نظم و نسق اور انتظام و انصرام کے اخراجات پر مشتمل ہیں۔

۳۔ چوتھے شعبے کے مصارف رفاہ عامہ اور فلاح کے دیگر تمام کام ہیں [۱]

---

[۱] برائے تفصیل دیکھیے رد المختار، بمبئی ۱۳۰۹ھ ج ۲-۳۔ ص ۳۸۸-۳۸۹۔ رد المختار

اگر کبھی ایک شعبہ کے مصارف بڑھ جائیں اور دوسرے شعبہ میں بچت ہو تو اس بچت کو وہ پہلے شعبہ کی ضرورت کے لیے قرض لے سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد امین ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وعلی الامام ان یجعل لکل نوع بیتا یختصہ۔ ولہ یستقرض من احدھا لیصرفہ للاخر[1]

ترجمہ: امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر نوع کے لیے ایک خاص شعبہ بنائے اور اس کو ایک شعبہ سے لے کر دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار ہے۔

اسی ضمن میں قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہارون الرشید کو ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولا ینبغی ان یجمع مال الخراج الی الصدقات والعشر لان الخراج فئ لجمیع المسلمین والصدقات لمن سمی اللہ عزوجل فی کتابہ[2]

ترجمہ: اور امیر کو نہیں چاہیئے کہ وہ خراج کی آمدنی کو صدقات اور عشر کی آمدنی کے ساتھ ملائے کیونکہ خراج تو سب مسلمانوں کے لیے مشترک آمدنی ہے اور صدقات تو صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تعیین اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں کی ہے۔

ان شعبہ جات کے مصارف کی مختصراً تفصیل یہ ہے۔

پہلے اور دوسرے شعبہ کے مصارف | پہلے اور دوسرے شعبہ کے مصارف ایک ہی ہیں جنہیں مصارف ثمانیہ

---

[1] حوالہ بالا، ج ۲ کتاب الجہاد، ص ۸۹ [2] ابو یوسفؒ: کتاب الخراج المطبعۃ السلفیہ، قاہرہ ۱۳۵۲ھ ص ۸۰

یا اخراجات کی آٹھ مدات کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے مندرجہ ذیل آیات میں انہیں مصارف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱- وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [1]

ترجمہ: اور معلوم رہے کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندہ پر فیصلہ (جنگ بدر) کے دن جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فقہاء اسلام نے جنگ میں کفار سے حاصل شدہ مال کے علاوہ کانوں اور خزینوں سے حاصل شدہ دولت کو بھی مال غنیمت میں شمار کیا ہے۔

۲- اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ [2]

ترجمہ: زکوٰۃ صدقات حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے کے لیے اور ان کے لیے

---

[1] سورۃ الانفال (۸) : ۴۱

[2] التوبہ : ۶۰۔

جو تاوان کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور مسافروں کے لیے یہ مقرر ہے خدا کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

پہلی آیت میں "اللہ" کا نام برکت کے طور پر مذکورہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک اس سے کعبۃ اللہ و مساجد اللہ کے مصارف مراد ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا اور آپ کے اہل قرابت (بنی ہاشم و بنی عبد المطلب) کے حصہ کا سوال ہی باقی نہیں رہا۔ اور یتامیٰ اگر بذات خود اغنیاء میں سے ہیں تو وہ بھی اس سلسلہ میں داخل نہیں ہیں۔ ورنہ پھر فقراء اور مساکین شامل ہیں۔ لہٰذا دونوں آیات کا مصرف "مصارف ثمانیہ" متعین ہیں جس کا مکمل بیان دوسری آیت میں مفصل ہے۔ یعنی فقراء مساکین عاملین، مؤلفۃ القلوب فی رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن السبیل [۱]

ان مصارف ثمانیہ کی تفصیل یہ ہے۔

فقراء

۱۔ فقراء کا واحد فقیر ہے۔ فقیر کی ایک تفسیر ہے وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو[۲]

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم ہو اس قول میں امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ جابر بن زیدؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ زہریؒ، حسن بصریؒ، امام مالکؒ، ابو اسحاقؒ ثعلبؒ، اخفشؒ، ابو عبیدؒ، یونسؒ، ابن سکیتؒ، ابن فقیہؒ وغیرہ شامل ہیں [۳]

---

[۱] مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ، اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی، ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۲۷

[۲] امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج، ص ۸۱ ۔ ماوردی: الاحکام السلطانیہ، باب ۱۱ ص ۱۱۸ ۔ ابو یعلیٰ کتاب الاحکام السلطانیہ مصطفے البابی قاہرہ مصر ص ۱۱۶

[۳] مولانا سید امیر علیؒ ۔ نور الدرایہ، ج ۱، قسط ۱۵، دیوبند۔ ص ۲۸

۲. فقیر کا لفظ قرآن مجید میں ایک غریب مہاجر کے لیے بھی استعمال ہوا اور ایک تنومند، دیانت دار امانت دار مزدور کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جسے گردش زمانہ نے بے روزگار بنا رکھا ہو۔ یہ دونوں صفات قرآن مجید نے حضرت موسٰی علیہ السلام کے ذکر میں بیان فرمائیں ہیں جب وہ مصر سے بھاگ کر مدین تشریف لے جا رہے تھے۔ قرآن مجید کی زبان میں سنیے۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ࣞ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ [1]

ترجمہ: پس (موسٰی نے) ان دونوں کی بکریوں کو پانی پلایا اور پھر چھاؤں کی طرف لوٹ آئے اور کہا اے میرے پروردگار بے شک میں اس نعمت کا جو تو میری طرف نازل کرے فقیر ہوں پس ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک ان کے پاس شرماتی ہوئی کہنے لگی کہ میرے ابا نے تمہیں بلایا ہے۔ تاکہ تمہیں اس کی اجرت دے جو تم نے پانی پلایا۔ پس جب وہ (موسٰی) ان کے باپ کے پاس آئے اور ان سے سارے واقعات بیان کیے۔ تو انہوں نے کہا کہ اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں تم نے ظالموں کی قوم سے نجات پائی ہے ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے کہا، اے ابا آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں کیونکہ جنہیں آپ مزدور رکھیں ان میں بہتر وہی

---

[1] سورۃ القصص (۲۸):۲۴-۲۶

ہے جو طاقتور اور امانت دار ہے۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ فقیر کا لفظ مہاجرین کے لیے آیا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا [1]

ترجمہ: وہ مال ان مہاجر فقیروں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رضامندی کی تلاش میں ہیں۔

ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے چار روایات اپنی کتاب میں ایسی اکٹھی کی ہیں جن کی رو سے فقیر کا لفظ مہاجر کے لیے استعمال ہوا ہے [2]

حضرت جابر ابن زید اور حضرت مجاہد نے فقیر اور مسکین کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الفقیر الذی لا یسئل هو المسکین الذی یسئال [3]

ترجمہ: (فقیر وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور مسکین وہ ہے جو سوال کرتا ہے)۔

بعض فقہاء کرام نے فقیر سے مراد ایسا شخص بھی لیا ہے جو نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو صحت مند بھی ہو مگر اور وجوہ سے غریب ہو اور عالم ہو تو اس کو ان پڑھ سے فضیلت دی جائے گی [4]

۱۔ فقیر سے مراد ایسا شخص بھی ہے جو دینی خدمات سر انجام دے رہا ہو۔ اور کمانے۔

---

[1] سورۃ الحشر ( ) : ۸

[2] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۶۰۲ - ۶۰۴

[3] ابو عبید: حوالہ بالا، ص ۶۰۳

[4] ایضاً، ص ۶۰۳

کے لیے کہیں سفر وغیرہ نہ کر سکے۔ قرآن مجید میں ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا[1]

ترجمہ: صدقات ان فقیروں کے لیے ہیں جو رکے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں (روزی کمانے کے لیے) سمجھے ان کو ناواقف مالداروں میں سے ان کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے ان کو چہرے سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر" مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فقیر کا لفظ اپنے فقہی مفہوم میں مندرجہ ذیل افراد کو شامل ہے۔

۱۔ تمام معذورین۔

۲۔ طلباء اور دین کی خدمت کرنے والے۔ مثلاً مدرسین اور مبلغین جو اپنی دینی مصروفیات کی وجہ سے روزی کمانے کے لیے فارغ نہیں ہو سکتے۔

۳۔ مہاجر۔

۴۔ بے روزگار مزدور (بشرطیکہ تندرست ہو)

۲۔ مسکین

مسکین مساکین کا واحد ہے۔ مسکین کے معنی میں بھی فقہاء اور لغویین کا اختلاف ہے مسکین سکن اور سکون سے ماخوذ ہے اور مسکین مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی جو انتہائی سکون کی حالت میں ہو امام بیضاویؒ کی رائے میں مسکین وہ شخص ہے جس کو اس کے عجز نے ساکن

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۳

کر دیا ہو[1]

لہٰذا یہاں مسکین کے معنی ایسے تمام اشخاص کو شامل ہیں جنہیں بڑھاپے یا بیماری یا معمولی حالات نے بالکل ناکارہ اور نکما کر دیا ہو۔ اور وہ اپنی روزی خود نہ کما سکیں۔ امام راغب اصفہانی کی رائے میں مسکین وہ ہے جس کے پاس کوئی شئے نہ ہو وہ فقیر سے زیادہ محتاج ہوتا ہے[2]

امام ابوحنیفہؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ مسکین کی حالت فقیر سے بدترین ہے کیونکہ مسکین تو عدم زر نے ساکن کر رکھا ہوتا ہے۔ فقہاء احناف اور دیگر ائمہ کی رائے یہی ہے کہ ان دونوں (فقیر اور مسکین) زکوٰۃ سے اتنا دینا چاہیئے کہ وہ غربت اور تنگدستی سے نکل کر خوشحالی کے ابتدائی درجہ میں پہنچ جائیں[3]

یہاں اس حقیقت کو ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام نے ۱۴۰۰ سال پہلے ہی اس ریاست کے بجٹ میں بے روزگاروں، معذوروں اور غربا اور مساکین کی امداد اور بحالی کے لیے ایک خاص حصہ مختص کر دیا جب کہ انگلستان میں امداد محتاجان کا قانون ۱۹۰۱ء میں پاس کیا گیا۔ اور بیورج اسکیم اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مشہور ہے۔

۳۔ عاملین علیہا،

(زکوٰۃ کا انتظام چلانے والے)

تیسرے حقدار وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی وصولی، اس کی تقسیم، حساب کی جانچ پڑتال نگرانی وغیرہ کے فرائض سرانجام دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ اپنے معاوضہ سے مطمئن ہو کر صاحب

---

[1] بیضاوی: ج ۱، سورۃ التوبہ تحت آیت انما الصدقات

[2] راغب اصفہانی مفردات القرآن، ص ۲۴۳

[3] ماوردیؒ الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۸۔ ابویعلی الاحکام السلطانیہ، ۱۱۶، قسمۃ الصدقات

نصاب لوگوں سے زیادہ وصول نہ کریں۔ یہ لوگ دراصل دیگر مستحقین زکوٰۃ کے وکیل ہوتے ہیں اور یہ اپنا حصہ بطور اجارہ یا صدقہ نہیں بلکہ بطور حق خدمت کے لیتے ہیں۔ البتہ عاملین کی تنخواہ کل وصول شدہ رقم زکوٰۃ کے نصف سے زیادہ نہ ہو[1]

اگر زکاۃ کی رقم اتنی کم ہو کہ وہ دیگر مستحقین زکوٰۃ کے لیے ہی ناکافی ہو تو ان کا حق خدمت یا تنخواہیں اسلامی ریاست دیگر مصالحہ عامہ کے فنڈ سے پورا کرے گی[2]

۴۔ مؤلفۃ القلوب

اموال زکوٰۃ میں سے چوتھا حصہ ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کا دل پرچانا مقصود ہو۔ زکوٰۃ کی اس مد میں فقہاء کرام سے مختلف تشریحات مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی یہ مد ایسے اشخاص کے لیے ہے جو تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ محسوس کیا کہ اب اسلام قوی ہو گیا ہے اور اسے کسی سے تقویت لینے کی ضرورت نہیں تو اس مد کو موقوف کر دیا اور اس پر تمام صحابہؓ کرام کا اجماع ہو گیا۔ لہٰذا اب یہ مد بھی عملاً نہیں ہے[3]

البتہ فقہاء کرام کی ایک کثیر جماعت کا مسلک ہے کہ زکوٰۃ کا مال کسی غیر مسلم کو نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی دلیل حدیث " تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم" زکوٰۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان ہی کے فقراء میں تقسیم کر

---

[1] ابوبکر جصاص احکام القرآن: قرطبی، تفسیر آیت ہذا و فتاوی ظہیریہ

[2] ماوردیؒ الاحکام السلطانیہ، باب ۱۱، ص ۱۱۸

[3] ابن عابدین: رد المختار، ج ۲، ص ۶۲

دی جائے گی) ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے اپنی حیات ہی میں گویا مؤلفۃ القلوب کا حصہ ختم کر دیا تھا اور صحابہ نے اسی حدیث (توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم) پر اجماع کیا البتہ محرک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنے اور حدیث صحیح قرآنی حکم کی تقیید یا تنسیخ کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس مد کی منسوخی تو عہد نبوت میں ہی ہو گئی تھی البتہ اس پر اجماع حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوا۔[1]

البتہ اس دور میں جب کہ امت مسلمہ کا انحطاط افسوس ناک حد تک بڑھ گیا ہے اور دیگر اقوام مثلاً عیسائی مشنریز خود غریب مسلمان کو اپنے دام تذویر میں پھانسنے کی کوشش میں ہیں۔ ان حالات میں اسلامی حکومت دیگر مذاہب کو اسلام کی طرف راغب کرنے اپنے غریب مسلمانوں کو دین پر پختہ رکھنے کیلئے زکات میں سے خرچ کرے۔

۵۔ فی الرقاب،

(گردن کے چھڑانے میں)۔

زکوٰۃ میں ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرانے کے لیے ہے امام راغب اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکاتب غلاموں کو اتنی رقم دی جائے گی کہ وہ آزاد ہو جائیں اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک عام غلام خرید کر آزاد کرنے پر خرچ کرنا ہے[2] جو ائمہ صرف غلاموں کو زکوٰۃ دینا ہی جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں مستحق کا اس کا مالک بن جانا شرط ہے یہ شرط صرف مکاتب غلام کو زکوٰۃ دینے میں پوری ہوتی ہے نہ کہ صرف عام غلام کو دینے میں کیونکہ غلام اور اس کا مال اس کے آقا کی ملکیت ہوتا ہے لہٰذا زیادہ درست رائے یہی ہے کہ یہ مذکورہ آیت مکاتب غلاموں کے

---

[1] ابن عابدینؒ: رد المختار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۶۲-۶۳

[2] ابو یعلی، الاحکام السلطانیہ قسمۃ الصدقات، ص ۱۱۷

ہے۔ اگر مکاتب نہیں ہیں تو ان کا حصہ بھی دیگر مستحقین میں منتقل ہو جائے گا۔ دورِ جدید کے فقہاء کی رائے ہے کہ یہ مدِ زکوٰۃ مسلمان قیدیوں کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کی جا سکتی ہے جو دشمنانِ اسلام کی قید میں ہوں [1]

۶-الغارمین

غارم کی جمع ہے جس کے معنی مدیون یعنی قرضہ دار کے ہیں۔ صاحب ہدایہ کے الفاظ میں:

"غارم وہ شخص ہے جس پر قرضہ ہو اور وہ اپنے قرضہ سے فاضل کسی نصاب کا مالک نہ ہو یعنی مال بقدر قرضہ ہو یا اس کا قرضہ لوگوں پر ہو جس کو وصول نہ کر سکتا ہو اور اس کے علاوہ نصاب نہ ہو" [2]

امام شافعیؒ نے فرمایا غارم وہ ہے جو اپنا مالی خسارہ و نقصان مسلمانوں کے باہمی اختلاف و پھوٹ کو رفع کرنے میں برداشت کرے [3]

بعض فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ غارم نے قرض کسی ناجائز اور غیر شرعی کام کے لیے نہ لیا ہو۔

غارم کا لفظ ان تمام مقروضوں کو شامل ہے جو اپنی ذاتی جائز ضروریات یا مسلمانوں کے مصالحِ عامہ کے لیے قرض لیتے ہیں [4]

امام ابو یوسفؒ نے غارم کا دائرہ اور بڑھایا ہے ان کے نزدیک غارم ہر وہ شخص

---

[1] یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے، ج ۲، حیدر آباد (دکن)، ۱۳۶۹ھ، ص ۲۱۷

[2] ہدایہ، لفظ غارم کی تشریح

[3] حوالہ ماوردی، الاحکام السلطانیہ، باب قسمۃ الصدقات

[4] حوالہ بالا

ہے جو اپنا قرضہ ادا نہ کرسکے [1]

امام ابو یوسفؒ کی رائے کو اگر مان لیا جائے تو پھر یہ مد مسلمان اغنیاء کے ان قرضوں کی انشورنس کرتی ہے جو وہ اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو بلا سود دیتے ہیں۔

۷۔ فی سبیل اللہ

یعنی جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں ان پر زکوٰۃ خرچ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، اور ائمہ فقہاء کی تشریحات کی روشنی میں یہاں فی سبیل اللہ کا اطلاق مندرجہ ذیل اخراجات پر ہوتا ہے۔

۱۔ منقطع حجاج کرام اور مجاہدین پر خرچ کرنا ہے [2]

۲۔ طالب علم اور دیگر نیک کام کرنے والے بشرطیکہ محتاج ہوں۔ فی سبیل اللہ کا مفہوم جن حضرات نے "رفاہ عامہ کے کام" لیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے، کیونکہ لفظ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ الخ میں اِنَّمَا اس امر کا حصر کرتا ہے کہ اس کی بعد بیان کیے جانے والے آٹھ مصارف عام نہیں خاص ہیں اور اگر عام ہوتے تو قرآن مجید کو لفظ اِنَّمَا اہتمام کرکے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک دوسرے انداز میں غور کریں تو زکوٰۃ کے تمام مصارف فی سبیل اللہ ہی ہیں پھر ایک الگ مد کے طور پر اسے لانے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرے اس مفہوم کے تحت زکوٰۃ کی ادائیگی کی شرط تملیک پوری نہیں ہوتی جو فقہاء احناف نے لگائی ہے فقہاء احناف میں سے شمس الائمہ سرخسی نے المبسوط (جلد ۲ صفحہ ۲۰۲) اور شرح سیر (جلد ۴ صفحہ ۴۴) اور فقہاء شافعیہ میں سے ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب الاموال (صفحہ ۶۱۰-

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۸۱۔

[2] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۶۱۵ - ابو یوسف: کتاب الخراج، حوالہ بالا، ص ۸۱

اور فقہاء مالکیہ میں سے احمد الدردیر نے شرح مختصر الخلیل (صفحہ ۶ کتاب الزکاۃ) اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق الدین ابن قدامہؒ نے اپنی کتاب المغنی میں مندرجہ بالا رائے کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

فقہاء کرام، مفسرین کرام، لغویین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات کے لیے قرآن مجید میں فعل ایتاء استعمال ہوا ہے مثلاً اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ اور اتوا حقه یوم حصاده کا مفہوم ہی یہ ہے کہ کسی کو کوئی چیز ایسے دینا کہ وہ اس کا مالک بن جائے [۱] اور رفاہ عامہ کے اخراجات میں یہ بات ممکن نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے زکاۃ کے مال میں سے مسجد بنانا، پل بنانا، سقایہ بنانا راستے درست کرنا، نہریں کھودنا، حج وجہاد کے لیے دینا، اور ایسی دوسری تمام صورتیں جن میں مالک نہیں کیا جا سکتا جائز نہیں۔ اسی طرح میت کا کفن دینا میت کا قرض ادا کرنا بھی جائز نہیں [۲]

البتہ یتیم خانوں میں طلباء، حاجت مندوں اور غرباء کو کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جائے اور ہسپتالوں میں محتاج مریضوں کو ادویات مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے تو وہ رقم مال زکوٰۃ سے محسوب ہو سکتی ہیں۔

۸۔ ابن السبیل۔

آٹھواں مصرف زکاۃ راہگیر یا مسافر ہیں۔ ایسا مسافر جس کے پاس اتنا سفر خرچ نہ ہو جس سے وہ اپنی ضروریات سفر پوری کر سکے اور واپس گھر پہنچ سکے۔ اگرچہ وہ اپنے وطن میں امیر ہو۔ اس میں آغاز سفر والا اور درمیانی سفر والا برابر ہیں البتہ حضرت امام ابو حنیفہؒ

---

[۱] ملک العلماء الکاسانی: بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، تملیک الزکاۃ، شیخ ابن ہمامؒ: فتح القدیر، کتاب الزکاۃ امام جصاصؒ احکام القرآن، ج ۲، ص ۱۵۲۔ امام راغب اصفہانیؒ: مفردات القرآن لفظ ایتاً

[۲] فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ۳۰۰۔ رد المحتار علی در المختار، ج ۲، ص ۶۵

نے فریب اور جھوٹ سے بچنے کے لیے درمیانی سفر کی شرط لگائی ہے۔

بعض اسکالرز نے "ابن السبیل" سے سیاحوں اور محکمہ سیاحت کے تمام اخراجات مراد لیے ہیں۔ مگر یہ اجتہاد اسلامی تعلیمات میں کہیں بھی جچتا نظر نہیں آتا۔

تیسرے شعبہ کے اخراجات تیسرے شعبہ کے مصارف ہر قسم کے وظائف کے، شعبہ ہائے حکومت کے انتظام و انصرام کے اخراجات ہیں۔ مسلم معیشت دانوں اور فقہاء کرام نے ایک اسلامی ریاست میں وظائف کا نظام مندرجہ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم:۔ پہلی قسم مسلح افواج کی تنخواہوں سے متعلق ہے۔ فوجیوں کی تنخواہیں اتنی معقول ہوں کہ وہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی بخوبی کفالت کر سکیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی ذات کو جہاد اور اسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کیلئے وقف کر رکھا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے میں فوجیوں کے اہل وعیال کے لیے وظیفے مقرر تھے [۱]۔

اس ضمن میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اسلام میں فوج کے دو حصے ہوتے ہیں ایک باقاعدہ فوج (Standing Army) اس کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جس کے اخراجات بھی بہت کم ہوتے ہیں۔ اور دوسرے والنٹیر (Volunteer. متطوعہ) یہ تمام مسلمان ہو سکتے ہیں اور ہم اس کی سفارش بھی کریں گے اور شریعت اسلامیہ یہی پسند کرتی ہے کہ تمام مسلمان رضاکارانہ فوجی ہوں جن کے کوئی اخراجات بھی نہیں ہوں گے جو خزانہ پر بار بنیں۔

اس شعبہ کے مال سے اسلحہ اور ہتھیار خریدے جائیں۔ چھاؤنیاں اور قلعے بنائے

---

[۱] ابو عبیدؒ کتاب الاموال ص ۲۳۷-۲۴۱-۲۴۲- ابن سعدؒ- الطبقات الکبریٰ جلد ۳- ص ۲۱۷

جائیں - چھوٹے اور بڑے پل تعمیر کیے جائیں - اور پانی کا بہاؤ روکنے کے لیے بند بنائے جائیں [۱]

دوسری قسم: دوسری قسم عدلیہ کے ارکان اور انتظامیہ کے افسران کے مشاہروں کے لیے ہے - اسلامی ریاست میں عدلیہ اور انتظامیہ کے اراکین کے مشاہروں کا نظام دوسرے قدیم وجدید طرز ہائے حکومت کے نظام پر قائم نہیں کہ ان کی بنیاد دماغی اور تعلیمی استعدادات کا معیار قائم کر کے مقرر کی جائے اور اس طرح رضاکارانہ خدمات کو تجارتی (بزنس) سسٹم میں ڈھال دیا جائے - بلکہ ان کے لیے بھی حکومت کی جانب سے مشاہرے مقرر کئے جاتے ہیں اور ان کے تقرر میں دو باتوں لحاظ رکھنا ضروری ہے -

۱- یہ مشاہرے اتنی مالیت کے ہوں جو متعلقہ جج یا افسر اور اس کے خاندان کی کفالت کے لیے کافی ہوں تاکہ وہ رشوت وغیرہ کی طرف مائل نہ ہوں -

۲- ان مشاہروں میں تقریبی یکسانیت ہو اور ان میں بے جا تفاوت نہ ہو - قاضی ابو یوسف نے اپنی کتاب الخراج، ص ۱۸۶ - ۱۸۷ - اور ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب الاموال، ص ۶۰۷ میں اس پر تفصیلاً لکھا ہے -

تیسری قسم: یہ قسم تعلیم و تبلیغ سے متعلق ہے - اسلام نے تعلیم (دینی اور مفید دنیوی) کو امت مسلمہ کے ہر فرد کے لیے ضروری قرار دیا ہے - اسی طرح تبلیغ اسلام ہی وہ ذریعہ ہے جس میں اسلام کی ترویج وبقاء کا راز مضمر ہے - لہذا وہ افراد امت جو اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لیے کوشاں ہیں اور جنہوں نے اپنے آپ کو اس پاک اور اعلیٰ مقصد کے لیے وقف کر رکھا ہے - اور جن کی خدمات رضاکارانہ

---

[۱] امام سرخسیؒ، مبسوط، ج ۳، کتاب الزکاۃ، ص ۱۸

اور لوجہ اللہ ہیں تاہم اسلامی ریاست کے یہ فرائض میں شامل ہے کہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی کفالت کرے تاکہ کہیں وہ اپنی معاشی پریشانیوں کے حل میں اس مقدس شغل سے اپنا رشتہ کمزور نہ کرلیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس شعبہ پر خصوصی توجہ دی اور معلمین اور مبلغین کے مشاہرے مقرر کیے۔

ان عمر بن الخطابؓ وعثمانؓ بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذنوں، اماموں اور اساتذہ کو ماہانہ وظائف دیا کرتے تھے۔

فقہاء کے وظائف، ان کے نام اور مقام تقرر کی تفصیلات ابن جوزی نے اپنے کتاب سیرت العمرین، ص ۱۶۸ پر نقل کی ہیں۔

۱- ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عمالہ ان اعط الناس علی تعلم القرآن [2]

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے بعض گورنروں کو لکھا کہ قرآن سیکھنے والوں کے لیے وظیفہ مقرر کریں۔

۲- اس حکم پر گورنروں نے یہ لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن سیکھنے کی رغبت کے بغیر محض وظیفہ حاصل کرنے کے لیے طالب علم بننا اختیار کرلیا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس کے باوجود وظیفہ بند نہیں کیا [3]

---

[1] ابن جوزیؒ: سیرت العمرینؓ، ص ۱۶۵

[2] ابو عبیدؒ: کتاب الاموال، ص ۲۶۱

[3] حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۳۶

۳۔ اسی طرح ابو عبیدؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بارے میں ایک نظیر لکھی ہے۔

بعث عمر بن عبد العزیز یزید بن ابی مالک الدمشقی والحارث بن یمجد الاشعری یفقهان الناس فی البدو واجر علیهما رزقا فاما یزید فقبل واما الحارث فابی [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت یزید بن ابی مالکؒ اور حارث بن یمجد اشعری کو بھیجا کہ وہ دیہات میں لوگوں کو دین سکھائیں۔ اور ان کے لیے روزینہ مقرر کیا۔ حضرت یزید نے تو قبول کر لیا اور حارث نے روزینہ لینے سے انکار کر دیا یعنی بلا معاوضہ خدمات انجام دیں۔

اسی طرح طلبہ کے لیے بھی وظائف مقرر کیے [2]

۴۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانہ میں یہ شعبہ کام کرتا رہا۔ بعد کے ادوار میں بھی ایک اس کی کمزور سی شکل باقی رہی جو آج تک قائم ہے اور تشکیل جدید کی محتاج ہے۔

چوتھے شعبہ کے اخراجات

اسلامی ریاست کے خزانہ کا چوتھا شعبہ (جس کے ذرائع آمدنی اموال فاضلہ اور کفالت عامہ کے ٹیکس ہیں)، غرباء، مساکین، معذورین، یتامیٰ، بیوگان اور محروم المعیشت کی معاشی کفالت سے تعلق رکھتا ہے۔ دراصل اسلامی ریاست کی یہ معاشی ذمہ داری ہے کہ اس کی حدود میں کوئی شخص بھی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور اگر کسی اسلامی ریاست میں ایسا ہو رہا ہے تو ایسی ریاست کسی بھی طرح اسلامی ریاست کہلانے کی حقدار

---

[1] ابو عبید قاسم: کتاب الاموال، ص ۲۶۲

[2] حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۹ء، ص ۱۲۶

نہیں۔ فقہاء اسلام اور مسلم معیشت دانوں نے اس شعبہ کی بنیاد قرآن حکیم کے ان ارشادات پر رکھی ہے جو زکوٰۃ و صدقات سے متعلق ہیں۔

اس ضمن میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات اور خلفاء اسلام کے چند آثار نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اللہ ورسولہ مولی من لا مولی لہ [1]

ترجمہ: جسکا کوئی کارساز نہیں اللہ اور اسکے رسول اس کے کارساز ہیں۔

السلطان ولی من لا ولی لہ [2]

ترجمہ: جس کا کوئی نگران نہ ہو اس کا نگران رئیس حکومت ہے۔

ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیہ فلم یحطھا بنصحہا لم یجد رائحۃ الجنۃ [3]

ترجمہ: جس کسی بندے کو بھی اللہ تعالیٰ ایک رعایا (قوم) کا نگران بنا دے اور پھر وہ خیرخواہی کے جذبے کے ساتھ ان کی بھلائی کے لیے کوشاں نہ ہو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چند اقوال ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

ما من امام یغلق بابہ دون ذوی الحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ خلق اللہ ابواب السماء دون خلتہ وحاجتہ [4]

ترجمہ: جو امیر اہل حاجت، غربت اور مسکنت کے لیے اپنے دروازہ بند کرلیتا ہے

---

[1] الترمذی: ج ۱ رقم ۱۰۹۴

[2] ایضاً، نمبر ۱۸۵

[3] الامام البخاری، الصحیح، ج ۳، حدیث نمبر ۲۰۲۱

[4] ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی امام الرعیۃ

اللہ تعالیٰ اس کی حاجت اور مصیبت کے لیے اپنے دروازے بند کر دیتا ہے۔

انی حریص علی ان لا اری حاجة الا سددتها
ولوددت انکم علمتم من نفسی مثل الذی وقع
فیها لکم ولست معلمکم الا بالعمل [1]

ترجمہ: میں تو اس امر کی حرص کرتا ہے کہ میں کسی کی کوئی حاجت نہ دیکھوں مگر اس کو پورا کر دوں۔ کاش کہ تم کسی طرح جان لیتے کہ تمہارے لیے میرے دل میں کیا کیا ارمان ہیں؟ مگر میں تو تمہیں عمل کے ذریعے ان سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔

لو مات شاة علی شط الفرات ضائعة لظننت ان یسئلنی
عنها یوم القیامة [2]

ترجمہ: اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بغیر کفالت مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں بازپرس کرے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ارشاد دیکھیے۔

وما احد منکم تبلغنی حاجته الا حرصت ان اسد من حاجته ما قدرت۔ [3]

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی اپنی کوئی حاجت میرے تک لائے گا۔ اس کی تمنا کروں گا کہ اپنی قدرت کے مطابق اس کی حاجت روائی کر دوں۔

اس ضمن میں فقہاء کرام کے چند فتاویٰ نقل کیے جاتے ہیں۔

"شرح شرعتہ الاسلام" کے مصنف سید علی زادہ حنفی فرائض امیر پر بحث کرتے ہوئے

---

[1] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۷، قاہرہ ۱۹۳۹، ص ۱۴۶

[2] ابن جوزیؒ، سیرت عمر بن خطاب، مطبعۃ السعادۃ قاہرہ ۱۳۴۲ھ، ص ۶۱

[3] ابن جوزیؒ، سیرت عمر بن عبد العزیز، مطبعۃ رحمانیہ قاہرہ ۱۹۲۷ء، ص ۱۴۱

لکھتے ہیں۔

ولا یدع فقیرا فی ولایۃ الا اعطاہ ولا مدیونا الا قضیٰ عنہ دینہ ولا ضعیفا الا اعانہ ولا مظلوما الا نصرہ ولا ظالما الا منعہ عن الظلم ولا عاریا الا کساہ کسوۃ [1]

ترجمہ: اور امام اپنی ولایت (مملکت) کے اندر کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے اور نہ کسی قرضدار کا قرض باقی رکھے نہ کسی کمزور کو بے مددگار چھوڑے اور نہ کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم کرے نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور ہر ننگے کو لباس مہیا کرے۔

کفالت عامہ کے یہ وظائف اسلامی ریاست میں بلا تمیز مسلم و کافر کے ہوتے ہیں اور اسلام کے مالیاتی نظام کا یہ روشن ترین پہلو ہے کہ یہ ریاست کے کسی کافر کو بھی محروم المعیشت نہیں چھوڑتا چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کا یہ واقعہ اس کی واضح دلیل ہے۔

عمر بن نافعؒ ابوبکرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ کہیں سے گزر رہے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھا نابینا کھڑا بھیک مانگ رہا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا۔ تو کون ہے اور کیوں مانگتا ہے؟ اس نے جواب دیا یہود ہوں، معذوری، پیرانہ سالی اور جزیہ کی ادائیگی نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ جو کچھ موجود تھا۔ اس کو دیا۔ پھر بیت المال کے خزانچی کو فرمان بھیجا۔

انظر ھٰذا وضربائہ فواللہ ما انصفناہ ان اکلنا شیبتہ ثم

---

[1] مولانا حفظ الرحمان، اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی ۱۹۵۹ء ص ۱۲۹-۱۳۰

نخذ له عند الهرم، انما الصدقات للفقراء والمساكين
والفقراء هم المسلمون وهذا لمساكين من المساكين من
اهل الكتاب وضع عنه الجزية وعن ضربائه الخ[1]

ترجمہ: یہ اور اس قسم کے دوسرے حاجت مندوں کی تفتیش کرو خدا کی قسم! ہم ہرگز انصاف پسند نہیں ہو سکتے۔ اگر ان (ذمیوں) کی جوانی کی محنت (جزیہ) تو کھائیں مگر ان کی پیری کے وقت ان کو بھیک کی ذلت کے لیے چھوڑ دیں۔ قرآن عزیز میں ہے۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین میرے نزدیک یہاں فقراء سے مسلمان مفلس مراد ہیں اور مساکین سے اہل کتاب کے فقرا و غرباء۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ایسے لوگوں سے جزیہ بھی معاف کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیرہ کو فتح کرنے کے بعد ان سے جو معاہدہ کیا اس میں بھی زیادہ واضح الفاظ میں کفالت عامہ میں مسلمان اور کافر کی برابری کا ذکر ہے۔

وجعلت لهم ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابته
آفة من الآفات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون
عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعيا له
ما اقام بدار الهجرة ودار السلام[2]

ترجمہ: اور میں طے کرتا ہوں کہ اگر ذمیوں میں سے کوئی ضعیف پیری کی وجہ سے ناکارہ ہو جائے یا آفات ارضی و سماوی میں سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائے یا ان میں سے کوئی مالدار

---

[1] حفظ الرحمان: اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی، ۱۹۵۹ء، ص ۴۵

[2] ایضاً

محتاج ہوجائے اور اس کے اہل مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو ایسے تمام اشخاص سے جزیہ معاف ہے اور بیت المال ان کی اور ان کے اہل و عیال کی ... اس کا کفیل ہے جب تک کہ وہ دارالہجرت یا دارالاسلام (اسلامی ریاست میں مقیم رہیں۔

الغرض اسلام کا معاشی نظام اسلامی ریاست کو پابند بناتا ہے کہ وہ اپنی تمام رعایا اور بالخصوص ایسے افراد جن کی حالت قابل رحم ہے ان کی بلا تمیز مذہب و نسل کفالت کرے اور اس کے لیے اسلام کے مالیاتی نظام میں ایک پوری مد مقرر کر دی گئی ہے جو ایسے افراد کی کفالت کے لیے مالیات فراہم کرے گی۔

یہاں یہ بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آج کل کی تمام حکومتوں کے قیام کا سب سے بڑا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے اندر کوئی فرد بھی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ اس لیے سماجی تحفظ سکیم (Social Security Scheme.) کا آغاز ۲۰ ویں صدی عیسوی میں کیا گیا جب کہ اسلام کے معاشی نظام نے تقریباً ۱۴۰۰ سال پہلے ہی ریاست کی اس ذمہ داری کا اعلان کیا تھا۔

خلاصہ :- اسلامی کے مالیاتی نظام میں سرکاری خزانہ کے چار شعبہ جات مقرر ہیں اور ریاست کا سربراہ بوقت ضرورت ایک شعبہ سے دوسرے کے لیے قرض لے سکتا ہے۔ سرکاری خزانہ کے محاصل کو اہل مصرف پر خرچ کرنے کے لحاظ سے رئیس مملکت اور اس کے کارکنان کے اختیارات اس طرح منقسم ہیں کہ پہلے اور دوسرے شعبہ محاصل کے لیے وہ صرف محافظ ہیں اور مخصوص اہل مصرف (جنہیں قرآن و حدیث نے مقرر کر دیا ہے جیسے کہ زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ) پر ہی خرچ کر سکتے ہیں، تیسرے اور چوتھے شعبے کے محاصل میں امیر اپنی رائے اور مجلس شوریٰ کے مشورہ سے مصالح حکومت بر مستحقین کی ضرورت کے پیش نظر خرچ کر سکتا ہے [1]

[1] حفظ الرحمان سیوہاروی : اسلام کا اقتصادی نظام دہلی ۱۹۵۹ء، ص۔ ۱۲۰ بتغیر یسیر

باب ۸

پاکستان کے نظام مالیات کی اصلاح کے لئے چند تجاویز

اب تک ہم نے اسلام کے قانون محاصل کا جائزہ لیا ہے۔ اس کی روشنی میں اب ہم ایسی تجاویز پیش کرتے ہیں جن کے تحت ہم پاکستان کے نظام مالیات کو اسلامی خطوط پر استوار کر سکتے ہیں۔ یہ تجاویز تین حصوں میں منقسم ہوں گی۔

۱۔ تجاویز برائے سرکاری آمدن اور مالی ذرائع۔

۲۔ تجاویز برائے سرکاری اخراجات۔

۳۔ متفرق تجاویز۔

۱۔ تجاویز برائے سرکاری آمدن اور مالی ذرائع

(الف) نظام ٹیکس اس سلسلہ میں مندرجہ تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ مقاصد ٹیکس فقہاء اسلام کے اجماع کی روشنی میں حکومت کو زکوٰۃ، عشر اور خمس کے علاوہ بھی ٹیکس لگانے کا حق حاصل ہے مگر اس کے لیے مقاصد شرعیہ کا تعین ضروری ہے۔ حکومت پاکستان جو بھی ٹیکس لگانا چاہے اس کے مقاصد عوام پر واضح کرے۔ اگر مقاصد عوام کی فلاح اور خیر خواہی پر مبنی ہوں گے تو

وہ کسی قسم کا ٹیکس ادا کرنے سے نہیں ہچکچائیں گے اور اگر انہیں ٹیکس کے مقاصد ہی کا علم نہ ہو یا وہ مقاصد غیر اسلامی اور عوام کے مفاد کے خلاف ہوں تو وہ نہ صرف ان ٹیکسوں کی چوری کریں گے بلکہ حکومت کے خلاف ان کے جذبات بھی بھڑکیں گے کیونکہ حکومت کو ایسا ٹیکس لگانے کا حق ہی نہیں جس کے مقاصد واضح نہ ہوں اس وقت پاکستان مرکزی یا صوبائی حکومتیں جو ٹیکس لگاتی ہیں ان کے مقاصد سے عوام صحیح طور پر آگاہ نہیں ہوتے لہٰذا وہ ایسے ٹیکسوں کو جرمانہ سمجھ کر حکومت کو دیتے ہیں۔

۲۔ تعداد ٹیکس

حکومت جو ٹیکس عوام پر لگائے ان کی تعداد زیادہ نہیں ہونی چاہیئے ٹیکس کم ہوں مگر ان سے اتنی آمدن ہو جو حکومت کے شرعی اور فلاحی اخراجات پورے کر سکے۔

۳۔ نوعیت ٹیکس

اس وقت پاکستان کی مرکزی یا صوبائی حکومتیں جو ٹیکس لگا رہی ہیں ان میں بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں قسم کے ٹیکس ہیں مگر ان میں بالواسطہ ٹیکسوں (مثلاً درآمدی برآمدی ٹیکس سیلز ٹیکس وغیرہ) کی نسبت بہت زیادہ ہے ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں بلاواسطہ اور بالواسطہ ٹیکسوں کی نسبت ۱۵ : ۸۵ ہے۔ اسلام کے قانون محاصل نے بلاواسطہ (Direct.) یا بالواسطہ (Indirect) متناسب و (Proportionate) یا متزاید (Progressive) کی خاص قسم ٹیکس کے جواز یا ترجیح و عدم ترجیح وغیرہ کا اشارہ نہیں دیا۔ مگر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ بالواسطہ ٹیکس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا کیونکہ یہ ٹیکس اسلام کے اصول "لاتزر وازرۃ وزر آخری (کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے منافی ہیں اور بالواسطہ ٹیکس کا مف

ہی ایک واسطے سے ایک شخص کا ٹیکس دوسرے پر منتقل ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کے برخلاف بلاواسطہ ٹیکس، بشرطیکہ وہ جائز مقاصد کے لیے ہو اسلام کے مزاج عدل وانصاف کے عین مطابق ہے۔ البتہ کاروبار وغیرہ پر اس وقت جو ٹیکس ہے وہ معقول نہیں اس کو معقول بنایا جائے اور اس طرح ٹیکسوں کا ایک بہت بڑا مقصد "غریب اور امیر کا فرق کم کرنا" بھی حاصل ہو جائے گا۔ اور یہاں تو یہ عالم ہے کہ ایک ٹیکس امیر کے بنگلہ سے بھاگ کر غریب کی جھونپڑی میں گھس جاتا ہے۔

۴- بار ٹیکس اور اثر ٹیکس

اس کا تعلق نمبر ۳ سے ہی ہے اس سلسلہ میں یہ ذہن میں رکھا جائے کہ ٹیکس کا بار اور اس کا اثر اس پر ہو جو ٹیکس ادا کرے یہ نہیں کہ اپنا بار وہ دوسرے پر منتقل کر دے کاروباری ادارے، کارخانہ داران، مل مالکان اور دوکانداران اپنے بلاواسطہ ٹیکسوں کا بار صارفین پر منتقل کر دیتے ہیں اور خود چین کی بانسری بجاتے ہیں۔

۵- ٹیکسوں کی وصولی کے اخراجات

ٹیکسوں کی وصولی کے اخراجات کم از کم ہونا چاہئیں پاکستان میں موجودہ ٹیکس مشینری اتنی زیادہ ہے کہ اس کے اخراجات کے لیے الگ بجٹ کی ضرورت پڑتی ہے ایسے ٹیکس کا کیا فائدہ جس کی وصولی کے اخراجات سرکاری خزانہ پر بوجھ بن جائیں یہ رجحان اسلام کے بالکل منافی ہے ٹیکس کی مشینری کے اخراجات کم سے کم ہوں گو اس کے لیے اسلام نے کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اسلام کے مقاصد ٹیکس کو مدنظر رکھ کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ٹیکسوں کی وصولی کے اخراجات جتنے کم ہوں گے اتنا ہی ٹیکسوں کے مقاصد زیادہ سہل الحصول ہوں گے ماہرین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ انکم اندازہ کرنے کے لیے انکم ٹیکس

آفیسرز کی بجائے پبلک اڈیٹرز (Public Auditors) ہونے چاہئیں یہ اڈیٹرز آزاد ہوں اور ان کا فیصلہ آخری ہو۔

۶۔ تعیشات پر ٹیکس

تعیشات ہمیشہ ایک معاشرہ میں جہاں اسراف وتبذیر کی نشاندہی کرتی ہیں وہاں وہ احساس محرومی اور حسد کے جذبات کو بھی جنم دیتی ہیں وہ سوسائٹی۔ بھلا کیونکر مناسب معاشرتی اور معاشی ترقی کر سکتی ہے جہاں ایک طرف چند گھرانے یا چند سرمایہ دار مسرفانہ تعیشات میں قوم کا روپیہ اڑا رہے ہوں وہ زندگی کے ہر میدان میں صرف اپنے روپے کے بل بوتے پر کامیاب ہوتے ہوں۔ سوسائٹی کی تمام عزتیں انہیں کا حصہ بن کر رہ گئی ہوں، انہیں غریب کی عزت کے ساتھ کھیلنا بالکل آسان ہو جبکہ دوسری طرف زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم غریب بے نوا ہوں۔ جنہیں صرف حسرتوں اور ناکامیوں کا سامنا ہو اور ہر طلوع ہونے والا سورج ان میں اضافہ کرتا جائے۔ پاکستانی حکومت کو تعیشات پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگانا چاہیئے تاکہ ان تعیشات کا رجحان کم از کم کیا جا سکے اور ان کے کم استعمال سے جو فالتو دولت بچے اسے ٹیکسوں کے ذریعے گردش میں لایا جا سکے تاکہ اس فالتو دولت سے پاکستان کے غریب عوام بھی مستفید ہو سکیں۔

۷۔ ایکسائز ڈیوٹی

ایکسائز ڈیوٹی کو عادلانہ بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ ٹیکس پیداوار پر نہیں بلکہ صلاحیت کی بناء پر لگایا جائے اور اس کی شرح عادلانہ ہو ورنہ سرمایہ کاری پر اس کے منفی اثرات پڑیں گے، جس صنعت کو ترقی دینا مطلوب ہو اس پر ا

کی چھوٹ دی جائے مثلاً ۸۱-۱۹۸۰ء سے حکومت نے چینی کی پیداوار پر چھوٹ دی
توچینی بازار میں عام ہوگئی ایکسائز ڈیوٹی کا تعین ماہر صلاحیت (Capacity Expert
کریں درمیانی اشیاء (Intermediate Goods.) پر ٹیکس نہ لگایا جائے ورنہ
یہ ٹیکس پر ٹیکس لگانے کا عمل ہوگا بنیادی ضروریات زندگی پر ٹیکس نہ لگایا جائے۔

۸ درآمدی برآمدی ٹیکس

پاکستان کے موجودہ نظام مالیات ہیں درآمدی برآمدی ٹیکس آمدن کا بہت بڑا ذریعہ ہیں مگر دیگر ذرائع کی طرح یہاں بھی خیانت، ظلم اور دھوکہ کی چکی زوروں پر چلتی نظر آتی ہے کسی درآمدی شئے پر کتنا ٹیکس لگے گا اور اس سے چھٹکارا کیونکر ممکن ہے یہ سب کچھ صرف کسٹم کا عملہ ہی جانتا ہے وہ راضی ہیں تو دس ہزار کا ایک صفر گرانا ان کے لیے آسان اور آپ صرف دس ۱۰۰۰ سو دے کر آزاد ہیں اگر وہ ناراض ہیں تو اپنی دیانت داری، فرض شناسی کے نام پر آپ پر دگنا لگائیں گے۔

اس استحصال سے بچاؤ کے لیے یہ چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ درآمدات و برآمدات کی ایک درجہ بندی کر دیں۔ یعنی اشیاء صرف خام مال اور مصنوعات اور ان میں سے ہر ایک کی مختلف اقسام پر ٹیکس کی مقدار مقرر کر دیں۔ اور یہ مقرر شدہ ٹیکس کو درآمد اور برآمد کنندگان اچھی طرح جانتے ہوں۔

۲۔ ان ٹیکسوں کا تعین کسٹم آفیسرز کی صوابدید پر بالکل نہ چھوڑا جائے۔

۳۔ یہ ٹیکس تعیشات پر زیادہ سے زیادہ اشیاء سرمایہ پر کم اور اشیاء بنیادی ضروریات پر بالکل نہ ہو۔

۴۔ یہ ٹیکس ایک ہی ہو۔

(تاہم یہ امر یہاں واضح رہے کہ اسلام کے قانون محاصل میں مسلمان اور ذمی رعایا پر کوئی درآمدی برآمدی ٹیکس نہیں۔ صرف دارالحرب کے باشندوں سے اس صورت میں لیا جائے گا جب وہ بھی مسلمان تاجروں سے لیں۔ ورنہ نہیں۔

۹۔ آمدنی ٹیکس

موجودہ نظام مالیات میں سرکاری آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ انکم ٹیکس (محصول آمدنی) ہے۔ اس ٹیکس کے نظام میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ اس ٹیکس کا نشانہ اکثر وہ سرکاری ملازمین بنتے ہیں جن کی آمدنیاں مقررہ ہیں۔ حکومت ان کی ضروریات زندگی کی لاگت کا خیال کیے بغیر یہ ٹیکس ان پر لاگو کرتی ہے اور یہ طریقہ غیر اسلامی ہے۔ اسلام حکومت سرمایہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جس شخص کو اپنا ملازم رکھے اس کی بنیادی ضروریات زندگی پوری کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے۔

عن مستورد بن شداد رضؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجۃ، فان لم یکن لہٗ خادم فلیکتسب خادما، فان لم یکن لہٗ مسکن فلیکتسب مسکنا وفی روایۃ من اتخذ غیر ذٰلک فھو غلول۔ (ابوداؤد باب ارزاق العمال)

ترجمہ: حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا، جو ہمارا ملازم ہو۔ اگر اس کی بیوی نہیں ہے تو وہ سرکار سے شادی کے اخراجات لے گا، اگر اس کے پاس خادم نہیں ہے تو خادم لے سکتا ہے۔ اور اگر اس کے لیے مکان نہیں ہے تو مکان لے سکتا ہے۔ اور

ایک دوسری روایت ہے جو کوئی اس سے زائد لے گا وہ خیانت ہو گی۔
یہ حدیث ایک ملازم کی تمام بنیادی ضروریات کو شامل ہے۔
موجودہ صورت میں سرکار ملازمین رشوت اور خیانت کی طرف مائل ہوں گے کیونکہ جب ان کی ضروریات زندگی ہی پوری نہ ہوں اور وہ ساتھ ساتھ ٹیکس بھی دیں تو اس کا نتیجہ اور کیا ہو گا۔
پھر طرفہ تماشہ یہ کہ آمدنی ٹیکس لگاتے وقت ان ملازمین کی چھوٹ دی جاتی ہے جو سرمایہ کاری کریں، وہ بے شک کسی ذریعے سے کمائیں مگر اپنی تنخواہ کا ایک حصہ بچا کر اس کو سرمایہ کاری میں لگائیں تو ان کو ٹیکس کی چھوٹ مل جاتی ہے مگر وہ غریب ملازمین جو دیانتدار بھی ہوں اور جن کا ذریعہ معاش محض تنخواہ ہی ہو اور بے شک اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے وہ بیچارے قرض حسنہ لیتے ہوں۔ ان پر ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔
ع ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے۔
جہاں حکومت سرمایہ کاری کرنے والے ملازمین کو یہ کہہ کر رعایت دیتی ہے کہ ان کی بچت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرنا ہے وہاں ان ملازمین کا خیال بھی کیا جائے جو بیچارے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ سابقہ وزیر خزانہ جناب ڈاکٹر محبوب الحق صاحب نے ۱۹۸۵ کے مالی بجٹ میں اس بارے میں چند اچھے اقدامات کیے ہیں۔ کاش کہ انہیں اور موقع دیا جاتا تو شاید وہ غریب ملازمین کے غموں کو ہلکا کر کے ان کی دعائیں حاصل کرتے
کارپوریشنوں کے بارے میں یہ رائے دی جا سکتی ہے کہ ان کی حاصل کا اندازہ پبلک آڈیٹروں (Public Auditors.) کا ایک آزاد بورڈ کرے اور اس کا فیصلہ آخری ہو۔
اس ٹیکس کے بارے میں مندرجہ ذیل سفارشات پر غور کیا جا سکتا ہے۔
۱۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہی آمدنیوں (Salary Income.) پر بالکل ٹیکس

نہ لگایا جائے ۔کیوں کہ

۱ - یہ ٹیکس عام عقل مندی کے بھی خلاف ہے کہ آپ اپنے ملازم کو ایک ہاتھ سے دیں اور دوسرے سے لے لیں - یہ مانگنا بھیک کے انداز میں ہو یا ٹیکس کے ظالمانہ طریقہ سے ہو، غیر اسلامی ہے ۔

۲ - اگر ان غریبوں سے کچھ لینا ہی ہے تو ان کی تنخواہیں کم کر دیں اس طرح حکومت ان اخراجات اور وقت کے ضائع کرنے سے بچ جائے گی جو اسے ایکا بار دے کر پھر لینے پر خرچ کرنا پڑتا ہے ۔

۳ - یہ ٹیکس صرف غیر تنخواہی آمدنیوں (Non-Salary Incomes.) پر ہو اور اسے بھی معقول بنایا جائے ۔

۱۰ - سیلز ٹیکس

۱ - اس ٹیکس کا نفاذ اشیاء تعیشات کی خرید و فروخت پر زیادہ سے زیادہ اور ضروریات زندگی کی اشیاء پر کم از کم کریں ۔

۲ - اس ٹیکس کو قیمتوں میں بے جا اضافہ کا سبب نہ بننے دیا جائے اور اس کے لیے حکومت محاسبہ کا محکمہ قائم کر سکتی ہے ۔

البتہ ایک اسلامی ریاست میں یہ ٹیکس اپنا جواز ضرور رکھتا ہے ۔

۱۱ - گفٹ ٹیکس

گفٹ ٹیکس کو ایک اسلامی نظام معیشت میں باقی رکھا جا سکتا ہے یہ ٹیکس تقسیم دولت کی اصلاح میں بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے ، جب ایک شخص کو بذریعہ تحفہ ایک بہت بڑی رقم یا جائیداد ملتی ہے تو اس میں کچھ حصہ وہ مفاد عامہ کیلئے اسلامی حکومت کو دے

تو اس میں کیا حرج ہے۔

۱۲- دولت ٹیکس

جب اسلامی ریاست میں زکوٰۃ کا نظام رائج ہے تو پھر دولت ٹیکس کا جواز نہیں رہتا کیونکہ اسطرح ایک ہی دولت پر دوسرا ٹیکس لگایا جا رہا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے ظلم ہے۔

ب- ٹیکسوں سے فرار

پاکستان میں ہر سال ۵۰ کروڑ-۱ کروڑ روپے تک رقم ٹیکس چوری میں جاتی ہے اس ٹیکس چوری کے کئی اسباب ہیں جن میں زیادہ تر نفسیاتی ہیں۔ جب ٹیکس دھندہ کے سامنے ٹیکس کا مقصد اور مصرف ہی واضح نہ ہو تو وہ کیونکر خوش دلی سے ٹیکس ادا کرے گا؟ کیونکہ لوگ ایسے ٹیکس محض ایک جرمانہ سمجھ کو ادا کریں گے پھر ٹیکس چور اکثر بڑے سرمایہ دار ہیں نہ کہ غریب ملازمین اور معمولی کاروباری لوگ

ٹیکس چوری کی صورتیں

۱- ایک سرمایہ دار ایک سے زائد بنک میں کھاتے رکھتا ہے۔

۲- مختلف ناموں سے بنک اکاونٹ رکھے جاتے ہیں۔

۳- ایک شخص ایک سے زائد کاروبار کرتا ہے یا غلط ناموں سے متفرق کاروبار میں شریک رکھتا ہے۔

۴- بوگس شراکت۔

۵- خرید و فروخت کا ریکارڈ نہ رکھنا بعض سرمایہ دار ٹیکس چوری کے لیے بعض قانونی ذرائع بھی اختیار کرتے ہیں مثلاً

۱- کاروباری منافع جات کو منتقل کرنے کے لیے ٹرسٹ قائم کرنا۔

۲- کمپنیوں کے حصص کو کم یا برائے نام قیمت پر اپنے عزیزوں کو فروخت کرنا

۳- دوران سال کمپنیوں کے منافع جات کا تقسیم نہ کرنا اور یہ ظاہر کرنا کہ وہ

متوقع نقصان کی تلافی کے لیے رکھے ہیں۔

۴۔ ذیلی اور ضمنی کمپنیوں کو عارضی رکھنا وغیرہ۔

علاج: (۱) اس ٹیکس چوری کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے کہ جو ٹیکس وہ دیتے ہیں وہ قوم کی فلاح وبہبود اور شرعی مصارف پر خرچ کیا جاتا ہے نہ کہ سرکاری ضیافتوں، میلے ٹھیلوں، کھیل تماشے، اور سرکاری افسران کی مکیف کاروں (Air Conditioned Cars) اور ان کے بنگلوں کی تعمیر پر اڑایا جاتا ہے۔

(۲) تکنیکی لحاظ سے علاج یہ کیا جائے کہ ٹیکس دہندگان کے نام اور ان کی آمدنی اور جائیداد کی فہرستیں بار بار شائع کی جائیں۔

(۳) چھوٹے بڑے تمام کاروباروں کو رجسٹرڈ کرایا جائے۔

(۴) حکومت ایک مدت کے لیے انکم ٹیکس کی شرح بالکل کم یا ختم کر دے۔ جس کے نتیجہ میں تمام چھپا ہوا سرمایہ (Black Money) منڈی میں آجائے۔

ج۔ زکوٰۃ آرڈیننس گو اس آرڈیننس کے اجراء کا مقصد اسلامی نظام مالیات کی ترویج واشاعت کے لیے عملی اقدام کرنا ہے اور یہ ایک مستحسن قدم ہے مگر اس آرڈیننس کے مندرجہ ذیل نقائص توجہ طلب ہیں۔

۱۔ عملاً ہو یہ رہا ہے کہ حکومت جبکے سے ہر سال رمضان المبارک ماہ سے ایک دو روز قبل مالداروں کے بنکوں میں جمع شدہ رقوم سے ۲ ½ فیصد کے اعتبار سے کاٹ لیتی ہے جس میں زکوٰۃ دہندگان کی مرضی شامل نہیں ہوتی۔ ایسی رقومات اموال باطنہ کے زمرہ میں آتی ہیں۔ اور جمہور علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ اموال باطنہ سے حکومت جبراً زکوٰۃ نہیں وصول کر سکتی۔ یہ تمام بحث ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

۲۔ اس طریق کار کی دوسری خامی یہ ہے کہ بعض لوگوں کی رقوم ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر ابھی سال نہیں گذرا ہوتا۔ آج ہی کسی کا سعودی عرب سے ڈرافٹ آیا جو اس نے بنک میں داخل کیا اور کل ہی اس پر زکوٰۃ لگ گئی جس کا جواز کسی فقہی مسلک میں بھی نہیں ہے۔

۳۔ تیسرے نقدی پر زکوٰۃ صرف اس وقت ہے جب وہ اتنی ہو کہ وہ چاندی کے نصاب کے برابر ہو ورنہ اس پر زکوٰۃ نہیں۔ یہاں حکومت خود ایک نصاب تجویز کر لیتی ہے (فرض کیا ۲۰۰۰ روپے یا کم و بیش) اور اس کے برابر یا زیادہ جن اشخاص کی رقوم ہیں ان پر زکوٰۃ لگا دیتی ہے۔

۴۔ اس آرڈیننس کے اجراء کے باوجود ۰۰۰۰۰۰ اموال ظاہرہ، مویشی، اموال تجارت وغیرہ سے کوئی زکوٰۃ وصول نہیں کی جا رہی جو حکومت کے لیے اصل اموال زکوٰۃ ہیں۔

۵۔ زکوٰۃ کی وصول یا تقسیم کے لیے عملہ غیر تربیت یافتہ ہے۔

د۔ عشر آرڈیننس موجودہ حکومت نے اسلامی نظام کی ترویج کے لیے ایک اور قابل تعریف فیصلہ کیا ہے اور وہ ہے عشر کی وصولی کا آرڈیننس، عشر قانون کے مسودہ کی تیاری کے لیے مجلس شوریٰ کی جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی راقم الحروف اس کمیٹی کا ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ماہر ممبر (Expert member.) تھا میں نے اس قانون کو صحیح اسلامی قانون بنانے کے لیے چند تجاویز پیش کی تھیں مگر اس کمیٹی نے انہیں یکسر نظر انداز کر کے ایک ایسا قانون تیار کیا جو اسلام کے نظام عشر کے خلاف ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کو جب دوبارہ قانون عشر کے اس مسودہ پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی تو ادارہ کے ڈائریکٹر صاحب کے حکم سے میں نے دوبارہ ایک مفصل نوٹ تیار کیا مگر ان سب تجاویز کو نظر انداز

کر کے جو قانون تیار کیا ہے اس میں اسلامی نقطۂ نظر سے مندرجہ ذیل خامیاں ہے۔

۱۔ اس میں عشر کا نصاب متنازعہ فیہ ہے۔ پانچ وسق کا بنیادی استثنیٰ نہ صرف فقہی نقطۂ نظر سے غلط ہے بلکہ یہ عشر کے مقاصد یعنی غربت و احتیاج کا خاتمہ کے بھی خلاف ہے۔

۲۔ زمینداران کو الاؤنس وغیرہ دینے کا طریقہ نہ صرف غیر شرعی ہے بلکہ عشر کے مستحقین یعنی فقراء و محتاجین کے حقوق کو پامال کرنا بھی ہے۔

۳۔ فقہ جعفریہ کے ماننے والوں سے عشر وصول کیا جائے گا یا نہیں؟ اور اگر وصول کیا جائے گا تو کن پیداواروں پر اور کس شرح سے؟ اس آرڈیننس میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

۴۔ عشر کی وصولی کا طریق کار بھی اسلامی روح سے لگا نہیں کھاتا۔

ر۔ فقہ جعفریہ کا خمس جس طرح سنی مسلمان کے اموال پر زکوٰۃ کھیتوں کی پیداوار پر عشر نافذ کیا گیا ہے اسی طرح شیعہ بھائیوں کے اموال سے ان کی فقہ کے مطابق خمس (۱/۵) بھی وصول کر کے اسے ان کے مستحقین میں تقسیم کیا جائے۔

س۔ قرضہ اسلامی حکومت کسی خاص وقت اور خاص ضرورت کے لیے جب اپنے وسائل ناکافی سمجھتی ہے تو وہ اندرونی اور بیرونی دونوں قسم کے قرضے لے سکتی ہے لیکن یہ یاد رکھا جائے کہ بیرونی قرضے معاشی آزادی کے قاتل ہوتے ہیں اور قوم و ملک کو ذہنی اور جسمانی غلامی کا شکار بنانے کا سبب بنتے ہیں۔

پاکستان ایسی اسلامی ریاست کو بیرونی قرضوں پر انحصار کم از کم کرنا چاہیئے ہم اگر چھوٹے ہیں تو اپنے منصوبے بھی چھوٹے ہی بنائیں۔ اور اگر غریب ہیں تو انداز بھی غریبوں والا اختیار کریں دوسروں کے محلات کو دیکھ کر اپنی جھونپڑی جلا دینا عقلمندی نہیں۔ ذہنی اور معاشی غلامی کی بجائے سادگی کے ساتھ خودداری بہتر ہے۔

پاکستانی حکومت کو چاہیئے کہ وہ قرض صرف اسلامی ممالک سے لے۔ اور اگر کسی غیر اسلامی ملک سے لینا ہی پڑے تو بلا سود اور غیر مشروط لیں۔ قرضدار کم ہی ترقی کرتا ہے۔ خود دار اور اپنے وسائل میں رہ کر آگے بڑھنے والا ایک دن منزل کو پالے گا۔

پیداواری قرضے لیے جائیں۔ ان کا استعمال اس انداز میں کریں جس سے زیادہ سے زیادہ ترقی ہو اور ملکی پیداوار بڑھے۔

اپنے منصوبے اپنے وسائل کے مطابق بنائیں۔ قوم کو سادگی اور قربانی کا درس دے کر بچت پر آمادہ کریں۔

جب قرضہ لینا ہو تو (وہ اندرونی ہو یا بیرونی) اس کا شرعی جواز ضرور ہونا چاہیئے قرضہ کی وصولی پر اخراجات نہ ہونے کے برابر ہوں ایسا نہ ہو کہ قرض کا ایک قابل قدر حصہ قرض کے معاہدہ طے کرانے اور وزراء کے دوروں پر خرچ ہو جائے۔

ص۔ غیر مسلموں پر جزیہ حکومت غیر مسلم اہل کتاب پر جزیہ بھی لگائے کیونکہ اگر مسلمانوں پر زکوٰۃ ہے تو ان سے بھی جزیہ وصول کیا جائے اور اسے حکومت اپنے مصارف میں لائے۔ اس طرح ان ٹیکسوں کا بار بھی کم ہو جائے گا جو حکومت نے عوام پر لگا رکھے ہیں۔ یوں عیسائی اور دوسرے غیر مسلم رعایا اس ملک کی معاشی ترقی اور خوشحالی میں برابر کا حصہ لے سکیں۔

سفارشات کا خلاصہ

اب تک جو سفارشات کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ ٹیکسوں کے ڈھانچہ کو یکسر تبدیل کر کے ٹیکسوں کی مقدار کم از کم کر دی ہے مگر وہ تعداد اصول کفایت کے مطابق ہو۔ البتہ ہنگامی حالات میں زیادہ ٹیکسوں کی گنجائش باقی رہے گی۔

۲- زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے ہوتے ہوئے حکومت اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے مزید ٹیکس لگانے کی مجاز ہے۔

۳- مندرجہ ذیل ٹیکس ایک اسلامی حکومت میں چل سکتے ہیں

۱- آمدنی ٹیکس (بشرطیکہ اسے اسلام کے عادلانہ نظام کے مطابق بنایا جائے)

۲- درآمدی برآمدی ٹیکس (تعیشات پر زیادہ سے زیادہ لگایا جائے)۔

۳- ایکسائز ڈیوٹی۔ تعیشات کی پیداور پر زیادہ لگائیں۔

۴- سیلز ٹیکس۔ ضروریات زندگی پر بالکل نہ ہو۔

۴- زکوٰۃ اور عشر کے نفاذ کے بعد مندرجہ ذیل ٹیکسوں کا جواز نہیں رہتا۔

۱- دولت ٹیکس۔

۲- گفٹ ٹیکس۔

۵- زکوٰۃ اور عشر کے ساتھ فقہ جعفریہ کے ماننے والوں پر خمس اور اہل کتاب پر جزیہ بھی لگائیں۔

۶- بلا واسطہ ٹیکسوں کو ترجیح دی جائے۔

۷- ٹیکس کا نام اگر بدل کر "حق قوم" یا "حق سماجی فلاح" رکھ دیا جائے تو ٹیکس دہندگان کی نفسیات پر اس کا اچھا اثر پڑے گا اور اس حق کی ادائیگی کو ایک جرمانہ نہیں بلکہ قومی قرض تصور کریں گے۔

۸- اضافی ٹیکس نہ لگائے جائیں۔

۹- ٹیکس کی شرح کم ہونی چاہیئے۔ جتنی شرح کم ہو گی اتنا ٹیکس زیادہ وصول ہو گا۔

۱۰- ٹیکس مشینری کے اخراجات کم ہونا چاہیئے۔ اگر یہ رپورٹ درست ہے کہ پاکستان کی موجودہ ٹیکس مشینری کے اخراجات کل ٹیکسوں سے وصول شدہ رقم کا ۱ فیصد ہے تو ایک طور پر تو یہ خبر نہایت خوش کن ہے مگر یہ مقدار کم اس لیے معلوم

ہوتی ہے کہ عوام پر بے جا لگائے گئے ٹیکسوں کی صحیح مقدار کا علم عام آدمی کو نہیں ورنہ غریب کسانوں، ملازمین اور چھوٹے طبقہ کے دوکانداروں پر لگائے گئے ٹیکسوں سے وصول شدہ رقم کا اندازہ لگایا جائے تو یہ ۱ فیصد والی خبر بڑی وحشت اثر ہو گی۔

۲۔ سرکاری اخراجات کی تجاویز

اسلامی ریاست کے نظام مالیات میں سرکاری اخراجات سے کیا مراد ہے؟ وہ کن مدات پر خرچ ہوں گے؟ ان کے اخراجات کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ ان تمام سوالوں کے جوابات کے لیے اس کتاب کا باب ۲ ملاحظہ کریں۔ اس باب میں اور اس جگہ ہمارا مدعا صرف ایسی تجاویز پیش کرنا ہے جن کی روشنی میں حکومت پاکستان اپنے اخراجات کو اسلام کے مالیاتی قوانین کے مطابق بنا سکتی ہے۔

۱۔ اخراجات کے مقاصد کی تعیین

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی ریاست ــــ جو عوام کے ٹیکسوں کے ذریعہ جمع شدہ مال کی امین ہے ــــ اپنے اخراجات کے مقاصد صرف اور صرف اسلامی اور فلاحی متعین کرے۔ غیر اسلامی اور غیر فلاحی اسکیموں پر غریب عوام کا روپیہ برباد کرنا انتہائی درجہ کی بددیانتی اور خیانت ہے۔

اخراجات کا مقصد صرف عوام کی فلاح ہو۔ ہمارے عوام کی بدقسمتی ہے ان کے روپلے کو فلاح کے نام پر افسران کے تعیشات پر خرچ کیا جاتا ہے۔

۲۔ اخراجات کا اصول۔ میانہ روی Economy.

فضول خرچی اور بخل دونوں سے ہٹ کر درمیانہ راستہ اختیار کیا جائے اخراجات

کو اس طرح منظم کریں کہ کم روپیہ خرچ کر کے زیادہ فلاح کا حصول ممکن بنایا جائے۔
اخراجات کے وقت یہ بات مدنظر رکھنا ہوگی کہ ملک برابر ترقی کرتا ہے معاشرتی عدل قائم ہو اور پیداوار بڑھتی رہے۔
ذرائع کا ضیاع بالکل نہ ہونے دیا جائے اور متبادل ذرائع کا استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ فلاح حاصل کی جائے۔
اخراجات اس طرح کیے جائیں کہ بیرونی قرضہ جات کا بوجھ کم کیا جاسکے اور اپنے وسائل پر اعتماد زیادہ سے زیادہ کیا جاسکے۔

سادگی اور کفایت شعاری یہ بات کہی اور سنی جاتی ہے کہ پاکستان ایک ترقی پذیر اور غریب ملک ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے سرکاری دفاتر اور سرکاری افسران کے اخراجات کا انداز دنیا کے ترقی یافتہ ملک کے طرز پر ہے جس کی وجہ سے ہمارے سرکاری اخراجات برابر بڑھتے جا رہے ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے غریب عوام پر ٹیکس بڑھا دیے جاتے ہیں جب ہم چھوٹے ہیں تو چھوٹی بات کریں۔ ہمارے اخراجات یا اخراجات کا بجٹ یا منصوبہ بندی پاکستان ایسے غریب ملک کے لیے ہے، یورپ کے کس ترقی یافتہ ملک کے لیے نہیں۔ ہم غیروں کی اسکیموں کی نقالی اور ان کے بجٹی طریقہ کار کو اپناتے وقت اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔
ہمارے سرکاری افسران کے اخراجات کے لیے حکومت ایک معیاری نمونہ (Standard Model.) مقرر کرے۔ انڈیا کی مثال ہمارے سامنے ہے وہاں کے تمام افسران ہندوستان ساختہ سادہ قسم کی کاریں ہی استعمال کرتے ہیں، مگر ہمارے ہاں غربت کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جاتا ہے اور کاریں بھی مرسٹیر یز اور ٹیوٹا استعمال کی جاتی ہیں، غریب ملک کے افسران ایئر کنڈیشنڈ اور سجے سجائے دفاتر میں بیٹھتے ہیں اور قوم کے کسان تمام دن چلچلاتی دھوپ میں ہل چلا کر کچھ پیدا کرتے ہیں جس پر ٹیکس لگا کر یہ اخراجات پورے

کیے جاتے ہیں۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

ذرائع کا صحیح استعمال ہمارے ملک میں ذرائع کا بے جا استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً سٹیشنری کو ہی لیں۔ لاکھوں روپے کی سٹیشنری بے جا اور فضول ضائع کی جاتی ہے۔ جس میں چوری بھی شامل ہے۔ دفاتر کی سٹیشنری ذاتی استعمال میں لائی جاتی ہے۔ یہی معاملہ ٹیلیفون کا ہے اسی طرح پٹرول بجلی اور سوئی گیس کا بے جا استعمال کیا جاتا ہے۔ دفتر کی کاریں اور عملہ ادنی بڑے افسران کی اپنی ذاتی ضروریات اور خدمات میں استعمال کیا جاتا ہے اور ان کے اخراجات قوم پر ٹیکس لگا کر پورے کیے جاتے ہیں۔

اس طرح سرکاری دعوتوں، ثقافتی پروگراموں اور کھلاڑیوں کے دوروں پر لاکھوں روپے خرچ کر دینا قوم کے مال کا بے جا استعمال نہیں تو کیا ہے؟

ذرائع کے استعمال کی نئے سرے سے تنظیم کرنا ہو گی ورنہ اخراجات اور اس کے لیے ٹیکس اور بیرونی قرضہ بڑھتے جائیں گے۔ یہ درست ہے کہ چند افسران کے گریڈز (Grades) بڑھ جائیں گے یا چند نئی کاریں سڑک آ جائیں گی یا چند نئی کوٹھیاں بن جائیں گی مگر ملک مقروض اور عوام ٹیکسوں کے بوجھ تلے کراہتے رہیں گے

دفاعی اخراجات پاکستان ایسا ترقی پذیر ملک سب سے زیادہ اخراجات اپنے دفاع پر کرتا ہے اور یہ اخراجات حق بجانب اور عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں۔ مگران اخراجات کو کم کرنے کی ترکیب ضرور ہے۔

۱۔ پاکستان ایسی اسلامی ریاست کو باقاعدہ فوج (Standing Army.) کم از کم ہو جس کے اخراجات کم آئیں گے۔

۲۔ پاکستان کے تمام بالغ مسلمان شہری رضاکار (Volunteer) فوجی

ہوں جب بھی وطن کو اپنے دفاع کے لیے ان کی ضرورت وہ فوراً اپنی گردنیں پیش کر دیں

۳۔ یا پھر فوج پیداداری فوج (Productive Army.) ہونا چاہیے جو ملکی دفاع کے علاوہ بڑے بڑے ترقیاتی منصوبے مکمل کرے۔ اس وقت بھی پاکستانی فوج ہنگامی بنیادوں پر ایسے کام کرتی ہے۔ انہیں باقاعدہ بنانے کی ضرورت ہے۔

۴۔ فوج کے اخراجات کو بھی " اصول کفایت شعاری اور سادگی کی روشنی میں کم کیا جا سکتا ہے۔

وزارتیں عملہ اور عمارات | پاکستان میں اسلام کے مالیاتی نظام کے اجراء کے سلسلہ میں ایک نہایت اہم مسئلہ جس پر غور کرنا ہوگا وزارتوں کی تعداد، ان کا عملہ اور ان کے دفاتر کے لیے عمارات کی ضرورت ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک کی نقالی میں آئے سال اپنی وزارتوں کی تعداد بڑھاتا جا رہا ہے۔ جس کے اعلیٰ اور ادنیٰ درجے کے لیے سینکڑوں ملازمین کی ضرورت پڑتی ہے جس پر کروڑوں روپے سالانہ اُٹھتے ہیں، یہ درست ہے کہ اس طرح عوام کے لیے روزگار کے مواقع بڑھائے جاتے ہیں مگر دوسرا رُخ بھی دیکھیں کہ قوم ایک بہت بڑے تعلیم یافتہ طبقہ کو ایک بے کار کام پر لگا کر قوم کا روپیہ اور صلاحیت دونوں ضائع کی جا رہی ہیں۔

عملہ کی تعداد میں روزافزوں اضافہ ہماری معیشت پر بہت بڑا بوجھ ہے عملہ قابل اور کم رکھیں مگر انہیں یہ سہولیات زیادہ سے زیادہ دیں۔

بعض نئی وزارتیں یا محکمے ایسے ہیں جن کا کام آج تک دوسرے محکمے بخوبی چلا رہے تھے اگر کچھ مسائل یا دشواریاں پہلے تھیں تو نئی وزارت یا محکمہ کے بننے سے ان

میں کوئی کمی نہیں ہوئی البتہ اضافہ ضرور ہوا ہے۔ جب پنجاب کے محکمہ تعلیم کا ڈائریکٹریٹ صرف لاہور تھا تو کام زیادہ باقاعدگی اور آسانی سے ہوتے تھے اور اب ہر ڈویژن میں ڈائریکٹریٹ قائم ہو گیا تو کام تب بھی تاخیر اور انتظار کے بعد ہوتے ہیں، یہی حال دیگر محکموں کا ہے۔

بعض محکمے ایسے ہیں مثلاً خاندانی منصوبہ بندی جس کا اسلام میں جواز نہیں اور بعض محکمے ایسے ہیں جن کی اجازت تو ہے مثلاً ثقافت اور کھیلوں کی وزارت، مگر اس اجازت کو اتنا مہنگا کر کے بنا کہ قوم پر مزید ٹیکسوں کا بار بن جائے دینی اور معاشی دونوں زاویوں سے مستحسن نہیں۔

پھر روزانہ ثقافتی وفود (بلکہ طوائفوں اور ناچ گانے والوں) کے تبادلوں پر لاکھوں روپے خرچ کرنا ملک اور قوم کی معیشت کو کتنا آگے بڑھاتا ہے؟

۳۔ متفرق تجاویز

اس عنوان کے تحت ہم چند ایسی مفید تجاویز کا ذکر کرتے ہیں جو پچھلے دو عنوانات کے تحت نہیں آتیں۔

۱۔ حکومت اور سرمایہ کاری

اپنے ذرائع آمدن بڑھانے اور اپنے روز افزوں اخراجات کے مصارف پورے کرنے کے لیے حکومت سرمایہ کاری کرے یہ سرمایہ کاری خاص طور پر ان شعبہ جات میں ہو گی جن میں عوام سرمایہ کاری کرنے سے کتراتے ہیں مثلاً کان کنی، جنگلات ماہی گیری وغیرہ۔

کلیدی صنعتیں حکومت خود چلائے۔

۲- تحدید ملکیت زمین

اگر پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے جو ملکیت زمین تحدید بھی کرے اور فاضل زمینیں ظالم اور متکبر زمینداروں سے بذریعہ خریداری یا جیسے پارلیمنٹ کے مشورہ سے طے ہو کر کسانوں میں تقسیم کر دی جائے اور اگر ان زمینداروں کو غریب کسانوں سے قیمت لے کر دینا چاہے تو اس کی آسان قسطیں مقرر کر دے یا جس طرح حکومت مصلحت عامہ کے لیے بہتر خیال کرے ویسا کرے۔ ایسا کرنا نہ صرف نظام مالیات کو بہتر بنانے کے لیے ممد و معاون ثابت ہوگا اور ملکی ترقی اور خوشحالی کا باعث بنے گا بلکہ اس کے سماجی اور دینی فوائد بھی ہوں گے کہ وہ مزارعین جنہیں ظالم زمینداران نے اپنا غلام بنا رکھا ہے وہ ان کی غلامی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں آجائیں گے۔ ہمارے اس نظریہ کی تائید میں حاشیہ میں دیئے گئے مصادر قابل مراجعت ہیں[1]

ایسی فاضل اراضی کو ملکیت سرکار بنا کر ان پر محصول لگا کر اپنی آمدن کو بڑھا سکتی ہے اور عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ بھی ہلکا کر سکتی ہے۔

۳- سرکاری زمین کی آبادکاری

حکومت کے پاس ہزاروں ایکڑ اراضی ایسی موجود ہے جو یا تو اوقاف کی ہے یا غیر آباد۔ حکومت ان بنجر زمینوں کو غریب کسانوں میں تقسیم کر کے ان سے محصول وصول کرے۔[2]

لہ شیخ جلال تھانیسری، رسالہ در اراضی ہند، قلمی نسخہ، برٹش میوزیم لائبریری (اگلے صفحہ پر)

(اگلے صفحہ پر)

۲ہ خدا کا شکر ہے کہ موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں اقدامات شروع کر دیئے ہیں (ادارہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۲۔ فتاوی عزیزیہ، جلد ۱، صفحہ ۴۳، مجتبائی پریس انڈیا۔

۳۔ سید انور شاہ کشمیری، العرف الشذی، صفحہ ۲۸۶

۴۔ مولانا محمد حفظ الرحمن، اسلام کا اقتصادی نظام۔ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹، ۲۲۹-۲۴۲، ۳۵۳۔

(اس موضوع پر بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے مگر ہم نے اسے تشنہ تکمیل اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ یہ بات ہمارے موضوع بحث سے ہٹ کر ہوگی۔ البتہ جن مصادر کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے اور بالخصوص مولانا حفظ الرحمن، کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام"، کے متعلقہ صفحات پڑھنا نہایت مفید ہوگا۔

لے خدا کا شکر ہے کہ موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں اقدامات شروع کر دیے ہیں (ادارہ)

اِسلام کا قانونِ محاصِل

تالیف

مولانا ڈاکٹر نور محمد غفاری

ناشر

مرکز تحقیق • دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری • لاہور